انسانیت موت کے دروازے پر

عالمِ فانی سے عالم بقاء کے سفر کی دلسوز کہانی

تالیف:
مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

طارق اکیڈمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالمِ فانی سے عالم بقاء کے سفر کی دلسوز کہانی

انسانیت موت کے دروازے پر

تالیف:

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ

- کتاب .... انسانیت موت کے دروازے پر
- مصنف .... مولانا ابوالکلام آزاد
- اہتمام .... محمد سرور طارق
- صدر مجلس .... محمد جاوید ناصر
- مجلس انتظامیہ حافظ سجاد انور منصور، محمد یٰسین عمر، قاری محمد افضل

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

ملنے کے پتے

لاہور

اسلامی اکیڈمی اردو بازار

نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار

مکتبہ محمدیہ، قذافی سٹریٹ، الفضل مارکیٹ اردو بازار

کتاب سرائے، الحمد سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار

مکتبہ دارالسلام، غزنی سٹریٹ اردو بازار

مکتبہ قدوسیہ، غزنی سٹریٹ اردو بازار

اسلام آباد

المسعود اسلامک بک سنٹر، کرن پلازہ، F-8 مرکز

مکتبہ دارالسلام، F-10 مرکز

فیصل آباد

مکتبہ اہل حدیث، امین پور بازار

مکتبہ قدوسیہ، کوتوالی روڈ

لندن

320 Lewisham High Street London SE13 6JZ
Ph:00442086905666

I.S.B.N. 669217-04-03

فروغ علم کیلئے کوشاں

طارق اکیڈمی سلیمی چوک بالمقابل الفتح گراؤنڈ فیصل آباد پاکستان

TARIQ ACADEMY: Saleemi Chowk, Faisalabad,

Ph:+92-41-8546964,8715768 Cell: 0300-6692592
Email:ilmoagahi74a@yahoo.com, Web: www.ilmoagahi.com

فہرست

کتاب سے زیادہ مخلص دوست

موت سے بڑا واعظ

اور

تنہائی سے زیادہ بے ضرر ساتھی کوئی نہیں

عبداللہ بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

حرفِ دُعا

دنیا میں آنا درحقیقت آخرت کی طرف رختِ سفر باندھنے کی تمہید ہے، اس عالم رنگ و بو میں آنے والے ہر نفس نے بالآخر موت کے جام کو پینا اور قبر کے دروازہ سے داخل ہونا ہے، یہ ایک ایسا اٹل قانونِ قدرت ہے، جس سے کسی کو اختلاف نہیں۔

یہ حقیقت روزِ روشن سے زیادہ واضح ہے اور ہم روز اپنے سر کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کی یہ تمام چمک دمک محض ایک جلوۂ سراب ہے۔ لیکن اس کے باوصف آج ہم دنیا اور اس کی رنگینیوں میں اس قدر کھو چکے ہیں کہ باید و شاید۔ آج نگاہوں کو خیرہ کرنے والے شان و شکوہ کے قصرِ زرنگار، مال و دولت کے انبار، مئے و مینا، شاہد و شراب ہی انسان کا منتہائے مقصود ہو کر رہ گئے ہیں، اور عاقبت کو فراموش کر دیا گیا ہے، اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا......

موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کو بہار
دِل نے پیشِ نظر انجام کو رہنے نہ دیا

اگر ہم اس دنیا کا بغور جائزہ لیں، تو یہ ہمیں ایک مرقع عبرت، افسانہ حسرت اور آئینہ حیرت کے روپ میں نظر آئے گی، دنیا کے سٹیج پر جن عظیم بادشاہوں نے جاہ و جلال کے جلوے دکھائے وہ بھی چل بسے، جن لوگوں نے دنیا کی آرائش و زیبائش کو چار چاند لگائے وہ بھی نہ رہے، وہ اہل کمال جن سے استفادہ اور کسب فیض کرنے کیلئے ایک دنیا ان کے پاس آتی تھی وہ بھی رخصت ہو گئے اور وہ بزرگانِ دین حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی جن سے فرشتے مصافحہ کرتے تھے یہاں سے رختِ سفر باندھ گئے، الغرض موت سے کسی کو مفر نہیں، بو علی سینا ایسے حکیم کو بھی کہنا پڑا۔

از قعرِ گل سیاہ تا اَوجِ زحل
کہ دم ہمہ مشکلات گیتی اِحل
بیروں جستم زقید بہ مکر وحیل
ہر بند کشادہ شد مرگ بندِ اجل

انسانی زندگی کے آخری لمحات کو زندگی کے درد انگیز خلاصے سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس وقت بچپن سے لے کر اس آخری لمحے تک کے تمام بھلے اور برے اعمال پردۂ سکرین کی طرح آنکھوں کے سامنے نمودار ہونے لگتے ہیں، ان اعمال کے مناظر کو دیکھ کر کبھی تو بے ساختہ انسان کی زبان سے درد و عبرت کے چند جملے نکل جاتے ہیں اور کبھی یاس و حسرت کے چند آنسو آنکھ سے عارض پر ٹپک پڑتے ہیں، اگر چہ دنیا کے اس پُل پر سے گزر کر عقبیٰ کی طرف ہر انسان نے جانا ہے، لیکن ان جانے والوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے متعلق کہنا پڑتا ہے۔

پی گئی کتنوں کا لہو تیری یاد
غم تیرا کتنے کلیجے کھا گیا

اس قبیل کی چند عظیم المرتبت ہستیوں کے سفر آخرت کی، دل و دماغ کے بادشاہ، خطابت کے شہسوار، قلم کے دھنی اور اردو زبان کے سب سے بڑے ادیب مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے...... انسانیت موت کے دروازے پر“...... کے نام سے منظر کشی کی تھی۔ یہ پرتاثیر، پردرد، دل گداز اور دلسوز کتابِ عبرت اس قدر مؤثر ہے کہ شاید ہی کوئی سنگ دل ہو، جو اس کا مطالعہ کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں نہ لگ جائیں، بالخصوص مولائے کل، دانائے سبل، ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفرِ ملکِ بقا کا تذکرہ دل تھام کر نہیں، دل پر پتھر رکھ کر پڑھنا پڑتا ہے، کون ظالم ہے جو یہ پڑھے:

”خبر وفات کے بعد مسلمانوں کے جگر کٹ گئے، قدم لڑکھڑا گئے، چہرے بجھ گئے، آنکھیں خون بہانے لگیں، ارض و سما سے خوف آنے لگا، سورج تاریک ہو گیا، آنسو بہہ رہے تھے اور تھمتے نہیں تھے، کئی صحابہ رضی اللہ عنہم حیران و سرگرداں ہو کر آبادیوں سے نکل گئے، کوئی جنگل کی طرف بھاگ گیا، جو بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا، جو کھڑا تھا اسے بیٹھ جانے کا یارا نہ ہوا، مسجد نبوی قیامت سے پہلے قیامت کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔“

اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی آبشار نہ بہہ نکلے؟

یہ کتابِ عبرت اور صحیفۂ درد کئی بار شائع ہوا، اسے پہلی بار شایانِ شان انداز میں **طارق اکیڈمی** نے 1974ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ کیا...... **طارق اکیڈمی** کی دیگر مطبوعات کی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بھی شرفِ قبولیت سے نوازا...... الحمدللہ اب ہم اسے چھٹی بار شائع کرنے کی سعادت

حاصل کر رہے ہیں۔طویل تعطل کے بعد ایک بار پھر اللہ پاک کی توفیق خاص سے **طارق اکیڈمی** کا کاروانِ علم وادب، علم اور اہل علم کی خدمت کے لئے اپنے سفر کا آغاز کر رہا ہے۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت استقامت سے ایسی کتابوں کی اشاعت کی توفیق بخشے جو ہمارے ملک عزیز میں قرآنی تہذیب کے قیام وفروغ کا باعث بنیں، ایسی کتابیں جن کے مطالعہ سے نونہالانِ وطن اپنی زندگیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے سانچہ میں ڈھال سکیں......ایسی کتابیں، جو ہمیں فرقہ واریت کے عذاب سے نجات دلا کر وحدتِ اُمت کی لڑی میں پرو دیں۔

اے اللہ کریم!

ہمیں محض اپنی رضا اور خوشنودی کے لئے حسن نیت اور اخلاص عمل کی دولت سے نواز! آمین!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

محمد سرور طارق

مدیر طارق اکیڈمی

حضرت محمد ﷺ

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

ارشادِ خداوندی ہے۔

''اے پیغمبر آپ اخلاق کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہیں۔'' (القرآن)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔'' (الفتح الربانی)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے روز میں تمام انبیاء کا امام ان کا نمائندہ اور ان کی سفارش کرنے والا ہوں گا۔'' (ترمذی)

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش	ربیع الاوّل 1 عام الفیل اپریل 571ء
منصب نبوت پر فائز ہوتے وقت عمر	40 سال / فروری 610ء
ہجرت کے وقت عمر	53 سال ربیع الاوّل 13 نبوی / ستمبر 622ء
بدر	17 رمضان 2 ہجری / 624ء
اُحد	3 ہجری / 625ء
خندق	5 ہجری / 627ء
صلح حدیبیہ	6 ہجری / 628ء
خیبر	7 ہجری / 629ء
فتح مکہ	8 ہجری / 630ء
حجۃ الوداع	10 ہجری / 632ء
وفات النبی	ربیع الاوّل 11 ہجری / جون 632ء

اضافہ طارق اکیڈمی

رحلت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○

جب اللہ کی مدد آ گئی اور مکہ فتح ہوا، تم نے دیکھ لیا کہ لوگ دین خداوندی میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ اب تم اللہ کی یاد میں مصروف ہو جاؤ اور استغفار کرو، بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (110 /النصر)

آخری حج کی تیاری

جب یہ سورت نازل ہوئی، تو پیغمبر انسانیت نے اللہ کی مرضی کو پالیا کہ اب وقت رحلت قریب آ گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پہلے خانہ کعبہ میں تطہیر حرم کا آخری اعلان کر چکے تھے کہ آئندہ کسی مشرک کو اللہ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی اور کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد فریضۂ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ اب 10 ھ میں آرزو پیدا ہوئی کہ سفر آخرت سے پہلے تمام امت کے ساتھ مل کر آخری حج کر لیا جائے۔ بڑا اہتمام کیا گیا کہ کوئی عقیدت کیش ہمرکابی سے محروم نہ رہ جائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن سے بلایا گیا۔ قبائل کو آدمی بھیج کر ارادۂ پاک کی اطلاع دی گئی۔ تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو رفاقت کی بشارت سنائی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تیاری کا حکم دیا 25 ذی القعدہ کو مسجد نبوی میں جمعہ ہوا اور وہیں 26 کی روانگی کا اعلان ہو گیا۔ جب 26 کی صبح منور ہوئی تو چہرۂ انور سے روانگی کی مسرتیں نمایاں ہو رہی تھیں۔ غسل کر کے لباس تبدیل فرمایا اور ادائے ظہر کے بعد، حمد و شکر کے ترانوں میں مدینہ منورہ سے باہر نکلے، اس وقت ہزار ہا خدام اُمت اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ یہ قافلۂ مقدس مدینہ منورہ سے 6 میل دور ذی الحلیفہ میں پہنچ کر رکا اور شب بھر اقامت فرمائی۔ دوسرے روز حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ غسل فرمایا۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جسم پاک پر اپنے ہاتھوں سے

عطر ملا۔ راہ سپار ہونے سے پہلے آپ ﷺ پھر اللہ کی حاضری میں کھڑے ہو گئے اور بڑے درد وگداز سے دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر قصویٰ پر سوار ہو کر احرام باندھا اور ترانہ لبیک بلند کر دیا۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

اس ایک صدائے حق کی اقتداء میں ہزار ہا خدا پرستوں کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ آسمان کا جوف حمد خدا کی صداؤں سے لبریز ہو گیا اور دشت وجبل توحید کے ترانوں سے گونجنے لگے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں جہاں تک انسان کی نظر کام کرتی تھی، انسان ہی انسان نظر آتے تھے۔ جب اونٹنی کسی اونچے ٹیلے پر سے گزرتی، تو تین تین مرتبہ صدائے تکبیر بلند فرماتے۔ آوازۂ نبوی کے ساتھ لاکھوں آوازیں اور اٹھتیں اور کاروانِ نبوت کے سروں پر نعرہ ہائے تکبیر کا ایک دریائے رواں جاری ہو جاتا۔ سفرِ مبارک نو روز تک جاری رہا۔ 4 ذوالحجہ کو طلوع آفتاب کے ساتھ مکہ معظمہ کی عمارتیں نظر آنے لگی تھیں اور ہاشمی خاندان کے معصوم بچے اپنے بزرگ کائنات ﷺ کی تشریف آوری کی ہوا سن کر اپنے اپنے گھروں سے دوڑتے ہوئے نکل رہے تھے کہ چہرۂ انور کی مسکراہٹوں کے ساتھ لپٹ جائیں۔ ادھر سرور عالم ﷺ شفقت منتظر کی تصویر بن رہے تھے۔ حضور پاک ﷺ نے اپنے کم سن بچوں کے معصوم چہرے دیکھے، تو جوش محبت سے جھک گئے اور کسی کو اونٹ کے آگے بٹھا لیا اور کسی کو پیچھے سوار کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد کعبۃ اللہ کی عمارت پر نظر پڑی، تو فرمایا:

''اے اللہ! خانہ کعبہ کو اور زیادہ شرف وامتیاز عطا فرما!''

معمارِ حرم نے سب سے پہلے کعبۃ اللہ کا طواف فرمایا۔ پھر مقام ابراہیم کی طرف تشریف لے گئے اور دوگانہ تشکر ادا کیا۔ اس وقت زبان پاک پر یہ آیت جاری تھی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى (2/البقرہ:125)

اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔

کعبۃ اللہ کی زیارت کے بعد صفا اور مروہ کے پہاڑوں پر تشریف لے گئے۔ یہاں پر آنکھیں کعبۃ اللہ سے دوچار ہوئیں، تو زبان پاک کے ابر گہربار کی طرح کلمات توحید وتکبیر جاری ہو گئے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ

عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

خُدا، صرف خُدا، معبود برحق، کوئی اس کا شریک نہیں۔ ملک اس کا، حمد اس کیلئے، وہ جلاتا ہے، وہی مارتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کردیا اور اس نے اپنے بندے کی امداد فرمائی اور اکیلے نے تمام قبائلی جمعیتیں پاش پاش کردیں۔

8 ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام فرمایا، 9 کو جمعہ کے روز نمازِ صبح ادا کر کے منیٰ سے روانہ ہوئے اور وادیٔ نمرہ میں آ ٹھہرے، دن ڈھلے میدانِ عرفات میں تشریف لائے، تو ایک لاکھ 24 ہزار خدا پرستوں کا مجمع سامنے تھا اور زمین سے آسمان تک تکبیر و تہلیل کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ اب سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قصواء پر سوار ہو کر آفتاب عالمتاب کی طرح کوہ عرفات کی چوٹی سے طلوع ہوئے تاکہ خطبۂ حج ارشاد فرمائیں۔ پہاڑ کے دامن میں عائشہ اور صفیہ، علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہم، ابوبکر اور عمر، خالد اور بلال، اصحابِ صفہ اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم اور دوسری سینکڑوں اسلامی جماعتیں اور قبائلی جمعیتیں جلوہ فرما تھیں اور پہلی ہی نظر سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ والی امت اپنی امت کے موجودات لے رہے ہیں اور محافظ حقیقی کو اس کا چارج سپرد فرما رہے ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری آنسو جو اس اُمت کے غم میں ہیں حجۃ الوداع کے خطبہ میں جمع ہیں، اس وقت دولت وحکومت کا سیلاب مسلمانوں کی طرف اُمنڈا چلا آ رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم یہ تھا کہ دولت کی یہ فراوانی، آپ کے بعد آپ کی اُمت سے رابطہ اتحاد کو پارہ پارہ کردے گی۔ اسی لیے اتحادِ اُمت کا موضوع اپنے سامنے رکھ لیا اور پھر دردِ نبوت کی پوری توانائی اسی موضوع پر صرف فرمادی، پہلے نہایت ہی دردانگیز الفاظ میں قیامِ اتحاد کی اپیل کی، پھر فرمایا کہ پسماندہ طبقات کو شکایت کا موقع نہ دینا تاکہ حصارِ اسلام میں کوئی شگاف نہ پڑ جائے۔ پھر اسباب نفاق کی تفصیل پیش کر کے ان کی بیخ کنی کا عملی طور پر سروسامان فرمایا۔ پھر واضح کیا کہ جملہ مسلمانوں کے اتحاد کا سنگ اساس کیا ہے؟ آخری وصیت یہ فرمائی کہ ان ہدایات کو آئندہ نسلوں میں پھیلانے اور پہنچانے کے فرض میں کوتاہی نہ کرنا۔ خاتمۂ تقریر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذاتی سرخروئی کے لیے حاضرین کی شہادت پیش کرتے ہوئے اس طرح بار بار اللہ کو پکارا کہ مخلوقِ خدا کے دل پگھل گئے، آنکھیں پانی بن گئیں اور روحیں انسانی جسموں کے اندر تڑپ تڑپ کر الامان اور الغیاث کی صدائیں بلند کرنے لگیں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد خطبۂ حج کا پہلا دردانگیز فقرہ یہ تھا:

''اے لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں تم اس اجتماع میں کبھی دوبارہ جمع نہیں ہوں گے۔''

اس ارشاد سے اجتماع کی غرض وغائیت بے نقاب ہو کر سب کے سامنے آ گئی اور جس شخص نے بھی یہ ارشادِ مبارک سنا تڑپ کے رہ گیا۔ اب اصل پیغام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''اے لوگو! تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہارا ننگ وناموس، اسی طرح ایک دوسرے پر حرام ہے جس طرح یہ دن (جمعہ) یہ مہینہ (ذی الحجہ) اور یہ شہر (مکہ مکرمہ) تم سب کے لیے قابل حرمت ہے۔'' [1]

اسی نکتے پر مزید زور دے کر ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! آخر تمہیں بارگاہ ایزدی میں پیش ہونا ہے، وہاں تمہارے اعمال کی باز پرس کی جائے گی۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جائیو کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنا شروع کر دو''۔ [2]

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دردمندانہ وصیت زبان پاک سے نکلی اور تیر کی طرح دلوں کو چیر گئی۔ اب ان نفاق انگیز شگافوں کی طرف توجہ دلائی جن کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا، یعنی یہ کہ اقتدارِ اسلام کے بعد غریب اور پسماندہ گروہوں پر ظلم کیا جائے۔ اس سلسلہ میں فرمایا:

''اے لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہنا۔ تم نے نام خدا کی ذمہ داری سے انہیں زوجیت میں قبول کیا ہے اور اللہ کا نام لے کر ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ غیر کو تمہارے بستر پر نہ آنے دیں، اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں ایسی مار مارو جو نمایاں نہ ہو اور عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ انہیں بافراغت کھانا کھلاؤ اور بافراغت کپڑا پہناؤ۔''

اسی سلسلے میں فرمایا: ''اے لوگو! تمہارے غلام، جو خود کھاؤ گے، وہی انہیں کھلانا، جو خود پہنو گے، وہی انہیں پہنانا۔''

عرب میں فساد وخون ریزی کے بڑے بڑے موجبات دو تھے۔ اوائے [illegible] مطالبات اور مقتولوں کے انتقام۔ ایک شخص دوسرے شخص سے اپنے قدیم خاندانی سود کا مطالبہ کرتا تھا اور یہی

[1] صحیح بخاری باب حجۃ الوداع [2] صحیح بخاری باب حجۃ الوداع

جھگڑا پھیل کر خون کا دریا بن جاتا تھا۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کو قتل کر دیتا، اس سے نسل بعد نسل قتل وانتقام کے سلسلے جاری ہو جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ انہیں دونوں اسباب فساد کو باطل فرماتے ہیں:

''اے لوگو! آج میں جاہلیت کے تمام قواعد ورسوم کو اپنے قدموں سے پامال کرتا ہوں۔ میں جاہلیت کے قتلوں کے جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں اور سب سے پہلے خود اپنے خاندانی مقتول ربیعہ بن حارث کے خون سے، جسے ہذیل نے قتل کیا تھا، دستبردار ہوتا ہوں۔ میں زمانہ جاہلیت کے تمام سودی مطالبات باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے خود اپنے خاندانی سود، عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے سود سے دستبردار ہوتا ہوں۔''

سود اور خون کے قرض معاف کر دینے کے بعد فرد عدالت نفاق کی طرف متوجہ ہوئے اور ورثہ، نسب، مقروضیت اور تنازعات کے متعلق فرمایا:

''اب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حقدار کا حق مقرر کر دیا ہے، لہٰذا کسی کو وارثوں کے حق میں وصیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچہ جس کے بستر پر پیدا ہوا ہو، اس کو دیا جائے اور زناکاروں کے لیے پتھر ہے اور ان کی جواب دہی اللہ پر ہے۔ جو لڑکا باپ کے سوا کسی دوسرے نسب کا دعویٰ کرے اور غلام اپنے مولا کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے، ان پر خدا کی لعنت ہے۔ عورت شوہر کے بلا اجازت اس کا مال صرف نہ کرے، قرض ادا کیے جائیں عاریت واپس کی جائے، عطیات لوٹائے جائیں اور ضامن تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔''

اہل عرب کے نزاع اور اسبابِ نزاع کا دفعیہ ہو چکا، تو اس بین الاقوامی تفریق کی طرف توجہ دلائی جو صدیوں کے بعد عرب وعجم یا گورے اور کالے کے نام سے پیدا ہونے والی تھی۔ ارشاد فرمایا:

''ہاں اے لوگو! تم سب کا خدا بھی ایک ہی ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہی ہے، لہٰذا کسی عربی کو عجمی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی پیدائشی برتری یا امتیاز حاصل نہیں ہوگا۔ ہاں افضل وہی ہے جو پرہیزگار ہو ہر مسلمان دوسرے کا بھائی ہے اور تمام مسلمان ایک برادری ہیں''۔

اتحاد اسلام کی مستقل اساس کی طرف راہنمائی فرمائی:

''اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھا، تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے، وہ چیز اللہ کی کتاب قرآن ہے''۔

اتحادِ اُمت کے عملی پروگرام کی طرف راہنمائی فرمائی:

''اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور نہ میرے بعد کوئی نئی اُمت ہے پس تم سب اپنے اللہ کی عبادت کرو۔ نماز پنجگانہ کی پابندی کرو، رمضان کے روزے رکھو، خوش دلی سے اپنے مالوں کی زکوٰۃ نکالو۔ اللہ کے گھر کا حج کرو۔ حکام اُمت کے احکام مانو اور اپنے اللہ کی جنت میں جگہ حاصل کر لو''۔

آخر میں فرمایا: وَاَنْتُمْ تُسْأَلُوْنَ عَنِّیْ فَمَاذَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ

ایک دن اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے میرے متعلق گواہی طلب کرے گا، تم اس وقت کیا جواب دو گے؟

اس پر مجمع عام سے پُر جوش صدائیں بلند ہوئیں۔

اِنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ : اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ نے تمام احکام پہنچا دیئے۔

وَاَدَّيْتَ : اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ نے فرض رسالت ادا کر دیا۔

وَنَصَحْتَ : اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ نے کھرے کھوٹے کو الگ کر دیا۔

اس وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھی۔ ایک دفعہ آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور دوسری دفعہ مجمع کی طرف اشارہ فرماتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ : اے اللہ! خلقِ خدا کی گواہی سن لے۔

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ : اے اللہ! مخلوقِ خدا کا اعتراف سن لے۔

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ : اے اللہ! گواہ ہو جا۔ [1]

اس کے بعد ارشاد فرمایا: ''جو لوگ موجود ہیں، وہ ان لوگوں تک جو یہاں موجود نہیں ہیں، میری ہدایات پہنچاتے چلے جائیں۔ ممکن ہے کہ آج کے بعض سامعین سے زیادہ پیامِ تبلیغ کے سننے والے اس کلام کی محافظت کریں''۔ [2]

تکمیل دین واتمام نعمت

خطبۂ حج سے فارغ ہوئے تو جبریل امین وہیں تکمیل دین واتمام نعمت کا تاج لے آئے

---

[1] مسلم حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم   [2] بخاری باب حجۃ الوداع

اور یہ آیت نازل ہوئی: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ:
آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ : تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور دین اسلام پر
رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا: اپنی رضامندی کی مہر لگادی۔ [1]

سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب لاکھوں کے اجتماع میں اتمامِ نعمت اور تکمیل دینِ فطرت کا یہ آخری اعلان فرمایا، تو آپ کی سواری کا سامان ایک روپے سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔ اختتام خطبہ کے بعد بلال رضی اللہ عنہ نے اذان بلند کی اور حضور ﷺ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھائی۔ یہاں سے ناقہ پر سوار ہو کر موقف میں تشریف لائے اور دیر تک بارگاہِ الٰہی میں کھڑے دعائیں کرتے رہے۔ جب غروب آفتاب کے قریب ناقۂ نبوی ہجومِ خلائق میں سے گزری، تو آپ کے خادم اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ سوار تھے اور کثرت ہجوم کے باعث لوگوں میں اضطراب سا پیدا ہو رہا تھا۔ اس وقت حضور ﷺ ناقہ کی مہار کھینچتے جاتے تھے اور زبان پاک سے ارشاد فرماتے جاتے تھے:

السّکینة ایّھا النّاسُ لوگو! سکون کے ساتھ
السّکینة ایّھا النّاسُ: لوگو! آرام کے ساتھ

مزدلفہ میں نماز مغرب ادا کی اور سواریوں کو آرام کے لیے کھول دیا گیا پھر نمازِ عشاء کے بعد لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرماتے رہے، محدثین رحمہم اللہ لکھتے ہیں کہ عمر بھر میں یہی ایک شب ہے جس میں آپ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی۔ 10 ذی الحجہ کو ہفتہ کے روز جمرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس میں آپ کے چچیرے بھائی فضل بن عباس رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ سوار تھے۔ ناقہ قدم بہ قدم جا رہی تھی چاروں طرف ہجوم تھا، لوگ مسائل پوچھتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے۔ جمرہ کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کنکریاں چن کر دیں، آپ نے انہیں پھینکا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! مذہب میں غلو کرنے سے بچے رہنا تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئی ہیں''۔

تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد فراق امت کے جذبات تازہ ہو جاتے تھے آپ اس وقت ارشاد فرماتے تھے: ''اس وقت حج کے مسائل سیکھ لو، میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے''۔

---

[1] بخاری

میدان منیٰ اور غدیر خم کے خطبات

یہاں سے منیٰ کے میدان میں تشریف لائے، ناقہ پر سوار تھے، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ مہار تھامے کھڑے تھے۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیچھے بیٹھے کپڑا تان کر سایہ کیے ہوئے تھے۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں مہاجرین، انصار، قریش اور قبائل کی صفیں، دریا کی طرح رواں تھیں اور ان میں ناقۂ نبوی، کشتی نوح کی طرح ستارۂ نجات بن رہی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ کہ باغبان ازل نے قرآن کریم کے انوار سے صدق واخلاق کی جونئی دنیا بسائی تھی، اب وہ شگفتہ وشاداب ہو چکی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی دور جدید کی یاد تازہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''آج زمانے کی گردش دنیا کو پھر اسی نقطۂ فطرت پر لے آئی جبکہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق ارض وسما کی ابتدا کی تھی۔''

پھر ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کی حرمت کا اعلان کرتے ہوئے مجمع کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:	آج کون سا دن ہے؟
مسلمان:	اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔
پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:	طویل خاموشی کے بعد کیا آج قربانی کا دن ہے؟
مسلمان:	بے شک! قربانی کا دن ہے۔
پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:	یہ کون سا مہینہ ہے؟
مسلمان:	اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔
پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:	طویل خاموشی کے بعد کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟
مسلمان:	بے شک! یہ ذوالحجہ ہے۔
پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:	یہ کون سا شہر ہے؟
مسلمان:	اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔
پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:	طویل خاموشی کے بعد کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟
مسلمان:	بے شک بلدۃ الحرام ہے۔

اس کے بعد فرمایا: مسلمانو! تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو، اسی طرح محترم ہیں، جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر محترم ہیں۔ تم میرے بعد گمراہ نہ

ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ اے لوگو! تمہیں اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے، وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔ اگر کسی نے جرم کیا، تو وہ خود اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا۔ باپ بیٹے کے جرم کا ذمہ دار نہیں اور بیٹا باپ کے جرم کا ذمہ دار نہیں۔ اب شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ تمہارے اس شہر میں کبھی اس کی پرستش کی جائیگی۔ ہاں تم چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے، تو وہ ضرور خوش ہوگا۔ اے لوگو! توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج یہی جنت کا داخلہ ہے۔ میں نے تمہیں حق کا پیغام پہنچا دیا ہے، اب موجود لوگ، یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچاتے رہیں، جو بعد میں آئیں گے۔

یہاں سے قربان گاہ میں تشریف لائے اور 63 اونٹ خود ذبح فرمائے اور 37 کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ذبح کرایا اور ان کا گوشت اور پوست سب خیرات کر دیا۔ پھر عبداللہ بن معمر کو طلب کر کے سر کے بال اتروائے اور یہ موئے مبارک تبرکاً تقسیم ہو گئے۔ یہاں سے اٹھ کر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا اور زمزم پی کر منیٰ میں تشریف لے گئے اور 12 ذوالحجہ تک وہیں اقامت پذیر رہے۔ 13 کو خانہ کعبہ کا آخری طواف کیا اور انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ جب غدیر خم پہنچے، تو صحابہ کرام کو جمع کر کے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے اللہ کا بلاوا اب جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے۔ میں تمہارے لیے دو مرکز ثقل قائم کر چلا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی جمع ہے۔ اسے محکمی اور استواری کے ساتھ پکڑ لو۔ دوسرا مرکز میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے بارہ میں تمہیں خدا ترسی کی وصیت کرتا ہوں۔"

گویا یہ اجتماع اُمت کے لیے اہل و عیال کے حقوق و احترام کی وصیت تھی تاکہ وہ کسی بحث میں الجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختصر سے خاندان کے ساتھ بے لحاظی کا سلوک نہ کریں۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر رات ذوالحلیفہ میں ٹھہرے اور دوسرے دن مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے۔ محفوظ، مامون حمد کرتے ہوئے اور شکر بجالاتے ہوئے۔

ملک بقا کی تیاری

حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں پہنچ کر فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ کی

تکمیل میں مصروف ہو چکے تھے۔ بارگاہِ ایزدی کی حاضری کا شوق روز بروز بڑھتا جاتا تھا، صبح وشام معبود حقیقی کے ذکر و یاد کی طلب تھی اور بس۔

رمضان المبارک میں ہمیشہ 10 روز کا اعتکاف فرماتے تھے۔ 10ھ میں 20 روز کا اعتکاف فرمایا۔ ایک دن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں، ان سے فرمایا: پیاری بیٹی اب مجھے اپنی رحلت قریب معلوم ہوتی ہے۔ انہیں ایام میں شہدائے احد کی تکلیف، بے بسی کی شہادت اور مردانہ وار قربانیوں کا خیال آ گیا، تو گنجِ شہیداں میں تشریف لے گئے اور بڑے درد و گداز سے ان کے لیے دعائیں کیں نمازِ جنازہ پڑھی اور انہیں اس طرح الوداع کہی جس طرح ایک شفیق بزرگ اپنے کم سن بچوں سے پیار کرتا ہے اور پھر انہیں الوداع کہتا ہے۔ یہاں سے واپس آئے تو منبر نبوی پر جلوہ طراز ہوئے اور اربابِ صدق وصفا سے نہایت دردمندانہ لہجہ میں مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

"دوستو! اب میں تم سے آگے منزل آخرت کی طرف چلا جا رہا ہوں تا کہ بارگاہِ ایزدی میں تمہاری شہادت دوں۔ واللہ! مجھے یہاں سے وہ اپنا حوض نظر آ رہا ہے جس کی وسعت ایلہ سے جحفہ تک ہے، مجھے تمام دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، اب مجھے یہ خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرو گے۔ البتہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور اس کے لیے آپس میں کشت وخون نہ کرو، اس وقت تم اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔" [1]

کچھ دیر کے بعد قلبِ صافی میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ انہیں حدود شام کے عربوں نے شہید کر دیا تھا۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فوج لے کر جائیں اور اپنے والد کا انتقام لیں۔ ان ایام میں خیالِ مبارک زیادہ تر گزرے ہوئے نیاز مندوں ہی کی طرف مائل محبت رہتا تھا۔ ایک رات آسودگانِ بقیع کا خیال آ گیا۔ یہ عام مسلمانوں کا قبرستان تھا۔ جوش محبت سے آدھی رات اٹھ کر وہاں تشریف لے گئے اور عام امتیوں کے لیے بڑے سوز سے دعا فرماتے رہے۔ پھر یہاں کے روحانی دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

انا بِکُم لَلَاحِقُون۔ میں اب جلد تمہارے ساتھ شامل ہو رہا ہوں۔ [2]

ایک دن مسجد نبوی میں پھر مسلمانوں کو یاد فرمایا۔ اجتماع ہو گیا تو ارشاد فرمایا:

"مسلمانو! مرحبا اللہ تعالیٰ تم سب پر اپنی نعمتیں نازل فرمائے۔ تمہاری دل شکستگی

---

[1] بخاری کتاب المغازی

[2] بخاری

دور فرمائے، تمہاری اعانت و دستگیری فرمائے، تمہیں رزق اور برکت مرحمت فرمائے۔ تمہیں عزت ورفعت سے سرفراز فرمائے، تمہیں دولت امن وعافیت سے شاد کام فرمائے۔ میں اس وقت تمہیں صرف خوف خدا وتقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ اب اللہ تعالیٰ ہی تمہارا وارث اور خلیفہ ہے اور میری تم سے اپیل اسی خوف کے لیے ہے۔ اس لیے کہ میرا منصب نذیر مبین ہے دیکھنا اللہ کی بستیوں اور بندوں میں تکبر اور برتری اختیار نہ کرنا۔ یہ حکم ربانی ہر وقت تمہارے ملحوظ خاطر رہنا چاہئے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (28/القصص:83)

یہ آخرت کا گھر ہے، ہم یہ ان لوگوں کو دیتے ہیں جو زمین میں غرور اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے، آخرت کی کامیابی پرہیزگاروں کے لیے ہے پھر فرمایا: اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ (39/الزمر:60) کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ نہیں ہے؟ آخری الفاظ یہ ارشاد فرمائے: سلام تم سب پر اور ان سب لوگوں پر جو واسطۂ اسلام سے میری بیعت میں داخل ہوں گے"۔

علالت کی ابتداء

29 صفر بروزِ دوشنبہ ایک جنازے سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں سر کے درد سے علالت کا آغاز ہو گیا۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ سرکارِ جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر رومال بندھا تھا۔ میں نے ہاتھ لگایا، یہ اس قدر جل رہا تھا کہ ہاتھ کو برداشت نہ تھا۔ دوشنبہ تک اشتدادِ مرض نے مرضی اقدس پر قابو پالیا۔ اس واسطے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے اجازت دے دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مستقل قیام سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کر دیا جائے۔ اس وقت مزاج اقدس پر ضعف اس قدر طاری تھا کہ خود قدموں سے چل کر حجرۂ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تک تشریف نہیں لے جا سکے۔ علی اور عباس رضی اللہ عنہم نے رسول کردگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں بازو تھامے اور بڑی مشکل سے حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لائے۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی بیمار ہوتے تھے، یہ دعا اپنے ہاتھوں پر دم کر کے جسم مبارک پر ہاتھ پھیر لیتے تھے:

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ

شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا۔ [1]

اے مالک انسانیت! خطرات دور فرما دے اے شفا دینے والے تو شفا عطا فرما دے، شفا وہی ہے جو تو عنایت کرے، وہ صحت عطا کر کہ کوئی تکلیف باقی نہ رہے۔

اس مرتبہ میں نے یہ دعا پڑھی اور نبی خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر دم کر کے یہ چاہا کہ جسم اطہر پر مبارک ہاتھ پھیر دوں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ پیچھے ہٹا دیئے اور ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔

اے اللہ! معافی اور اپنی رفاقت عطا فرما دے۔ [2]

وفات سے پانچ روز پہلے

وفاتِ اقدس سے 5 روز پہلے (چہار شنبہ) پتھر کے ایک ٹب میں بیٹھ گئے اور سر مبارک پر پانی کی سات مشکیں ڈلوائیں۔ اس سے مزاج اقدس میں خنکی اور تسکین سی پیدا ہوگئی۔ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا:

مسلمانو! تم سے پہلے ایک قوم گزر چکی ہے جس نے اپنے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا، تم ایسا نہ کرنا۔''

پھر فرمایا: ''ان یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ پھر فرمایا میری قبر کو میرے بعد وہ قبر نہ بنا دینا کہ اس کی پرستش شروع ہو جائے۔''

پھر فرمایا: مسلمانو! وہ قوم اللہ کے غضب میں آجاتی ہے جو قبور انبیاء کو مساجد بنا دے''۔

پھر فرمایا: ''دیکھو، میں تم کو اس سے منع کرتا رہا ہوں دیکھو، اب پھر یہی وصیت کرتا ہوں۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا! اے اللہ! تو گواہ رہنا!'' [3]

پھر یہ ارشاد فرمایا:

''خدا تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ وہ دنیا و مافیہا کو قبول کرے یا آخرت کو، مگر اس نے صرف آخرت ہی کو قبول کر لیا ہے''۔ [4]

---

[1] بخاری
[2] بخاری، باب مرض النبی
[3] متفق علیہ، موطا امام مالک
[4] متفق علیہ

یہ سن کر رمز شناسِ نبوت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آنسو بھر لائے اور رونے لگے اور کہا:
''یارسول اللہ! ہمارے ماں باپ، ہماری جانیں اور ہمارے زر و مال آپ پر قربان ہو جائیں۔''
لوگوں نے ان کو تعجب سے دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایک شخص کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں، پھر اس میں رونے کی کونسی بات ہے؟ مگر یہ بات انہوں نے سمجھی، جو رو رہے تھے۔ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی اس بے کلی نے خیالِ اشرف کو دوسری طرف مبذول کر دیا۔ ارشاد فرمایا:

''میں سب سے زیادہ جس شخص کی دولت اور رفاقت کا مشکور ہوں، وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی ایک شخص کو اپنی دوستی کے لیے منتخب کر سکتا، تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوتے، لیکن اب رشتۂ اسلام میری دوستی کی بنا ہے اور وہی کافی ہے۔ مسجد کے رخ پر کوئی دریچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔''

انصارِ مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ علالت میں برابر رو رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے، تو انہوں نے انصار کو روتے دیکھا، دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا: ''آج ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبتیں یاد آ رہی ہیں۔''
انصار کی اس دردمندی اور بے دلی کی اطلاع سمع مبارک تک پہنچ چکی تھی۔ ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! میں اپنے انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں، عام مسلمان روز بروز بڑھتے جائیں گے، مگر میرے انصار کھانے میں نمک کی طرح رہ جائیں گے۔ یہ لوگ میرے جسم کا پیرہن اور میرے سفر زندگی کا توشہ ہیں، انہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے، مگر ان کے حقوق باقی ہیں۔ جو شخص، اُمت کے نفع اور نقصان کا متولی ہو، اس کا فرض ہے کہ وہ انصار نیکوکار کی قدر افزائی کرے اور جن انصار سے لغزش ہو جائے، ان کے متعلق درگزر سے کام لے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ شام پر حملہ آور ہوں اور اپنے شہید والد کا انتقام لیں۔ اس پر منافقین کہنے لگے: ایک معمولی نوجوان کو اکابر اسلام پر سپہ سالار مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں پیغمبر مساوات نے ارشاد فرمایا:

''آج اسامہ رضی اللہ عنہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے اور کل اس کے باپ زید رضی اللہ عنہ کی سرداری پر تم کو اعتراض تھا۔ خدا کی قسم! وہ بھی اس منصب کے مستحق

تھے اور یہ بھی۔ وہ بھی سب سے زیادہ محبوب تھے اور اس کے بعد یہ بھی سب سے زیادہ محبوب ہیں۔"

پھر فرمایا: "حلال وحرام کے تعین کو میری طرف منسوب نہ کرنا۔ میں نے وہی چیز حلال کی ہے جسے قرآن نے حلال کیا ہے اور اسی کو حرام قرار دیا ہے، جسے خدا نے حرام کیا ہے۔"

اب آپ اہل بیت کی طرف متوجہ ہوئے کہ کہیں رشتہ نبوت کا غرور انہیں عمل و سعی سے بیگانہ نہ بنادے۔ ارشاد فرمایا:

"اے رسول ؐ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا! خدا کے ہاں کے لیے کچھ کرلو۔ میں خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔

یہ خطبۂ درد، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری خطبہ تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین مسجد کو خطاب فرمایا، اختتام کلام کے بعد حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لے آئے۔ شدت مرض کی حالت یہ تھی کہ عالم بے تابی میں کبھی ایک پاؤں پھیلاتے اور کبھی دوسرا سمیٹتے تھے۔ کبھی گھبرا کر چہرۂ انور پر چادر ڈال لیتے تھے اور کبھی اُلٹا دیتے تھے۔ ایسی حالت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے:

"یہود و انصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے۔"

وفات سے چار روز پہلے

وفات سے چار روز پہلے (جمعرات) عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا اپنے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو بلالیجیے۔ اسی سلسلے میں فرمایا: "دوات کاغذ لے آؤ"۔ میں ایک تحریر لکھوا دوں، جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہوگے"۔ یہ شدت مرض میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خیال تھا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ رائے ظاہر کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں تکلیف دینا مناسب نہیں ہے۔ اب تکمیل شریعت کا کوئی ایسا نکتہ باقی نہیں رہا، جس میں قرآن کافی نہ ہو۔ بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس رائے سے مطابقت نہ کی۔ جب شور زیادہ ہوا تو بعض نے کہا:

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے دریافت کرلیا جائے۔"

ارشاد فرمایا: "مجھے چھوڑ دو میں جس مقام پر ہوں، وہ اس سے بہتر ہے جس کی

طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔“ [1]

اسی روز تین وصیتیں اور فرمائیں:

[1] کوئی مشرک عرب میں نہ رہے۔

[2] سفیروں اور وفود کی بدستور عزت و مہمانی کی جائے۔

[3] قرآن پاک کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا جو راوی کو یاد نہیں رہا۔ [2]

سرکار پاک ﷺ علالت کی تکلیف اور بے چینی کے باوجود 11 روز تک برابر مسجد میں تشریف لاتے رہے۔ جمعرات کے روز مغرب کی نماز بھی خود پڑھائی اور اس میں سورۂ مرسلات تلاوت فرمائی۔ عشاء کے وقت آنکھ کھولی اور دریافت فرمایا: ”کیا نماز ہو چکی؟“

مسلمانوں نے عرض کیا: مسلمان حضور ﷺ کے منتظر بیٹھے ہیں۔ لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا، اور ہمت کر کے اٹھے، مگر غش آ گیا۔ تھوڑی دیر میں پھر آنکھ کھولی اور فرمایا:

”کیا نماز ہو چکی؟“

لوگوں نے عرض کیا:

”یا رسول ﷺ! مسلمان آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

اس مرتبہ پھر اٹھنا چاہا مگر بے ہوش ہو گئے، کچھ دیر کے بعد پھر آنکھ کھولی اور وہی سوال دہرایا:

”کیا نماز ہو چکی ہے؟“

لوگوں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! سب لوگوں کو حضور ﷺ ہی کا انتظار ہے۔“

تیسری مرتبہ جسم مبارک پر پانی ڈالا اور جب اٹھنا چاہا تو غشی آ گئی۔ افاقہ ہونے پر ارشاد فرمایا:

”ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا دیں۔“

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

”ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے، نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔“

ارشاد فرمایا: ”وہی نماز پڑھائیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال یہ تھا کہ جو شخص رسول ﷺ کے بعد امام مقرر ہو گا، لوگ اسے

[1] متفق علیہ [2] بخاری

لازماً منحوس خیال کریں گے۔ روایت ہے کہ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرما نہیں تھے، اس واسطے عمر رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا گیا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: نہیں، نہیں، نہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منبر چند روز پہلے خالی ہو چکا تھا۔ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مُصَلّٰی بھی خالی ہوگیا۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوئے، تو عالم یاس نے مسجد نبوی پر اپنے پردے تان دیئے اور مسلمانوں کے دل بے اختیار رو دیئے اور خود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قدم بھی لڑکھڑا گئے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے ساتھ توفیق الٰہی شامل تھی۔ اس واسطے یہ کٹھن گھاٹی بھی گزر گئی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حیات پاک نبوی میں اسی طرح سترہ نمازیں پڑھائیں۔

وفات سے دو روز پہلے

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت نے مسجد کی طرف رجوع کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر سہارا لیتے ہوئے جماعت میں تشریف لے آئے۔ نمازی نہایت بے قراری کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ بھی مصلے سے پیچھے ہٹے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست مبارک سے ارشاد فرمایا: پیچھے مت ہٹو۔ پھر سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر بیٹھ گئے اور نماز ادا کرنے لگے۔ حضور کی اقتدار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کرتے تھے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء مسلمان کرتے تھے۔ یہ پاک نماز اسی طرح مکمل ہوگئی، تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لے گئے۔ [1]

وفات سے ایک روز پہلے

مخدوم انسانیت، جو قید دنیا سے آزاد ہو رہے تھے، صبح بیدار ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ سب غلاموں کو آزاد فرمایا۔ یہ تعداد میں 40 تھے۔ پھر اثاث البیت کی طرف توجہ فرمائی۔ اس وقت کاشانہ نبوی کی ساری دولت صرف سات دینار تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

> ''انہیں غریبوں میں تقسیم کر دو، مجھے شرم آتی ہے کہ رسول اپنے اللہ سے ملے اور اس کے گھر میں دولت دنیا پڑی ہو''۔

اس ارشاد پر گھر کا گھر صاف کر دیا گیا۔ آخری رات کاشانہ نبوی میں چراغ نبوی جلانے کے لیے تیل تک موجود نہیں تھا۔ یہ ایک پڑوسی عورت سے ادھار لیا گیا۔ گھر میں کچھ ہتھیار باقی

---

[1] متفق علیہ

تھے۔ انہیں مسلمانوں کو ہبہ کر دیا گیا۔ زرہ نبوی 30 صاع جو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ چونکہ ضعف لحہ بہ لحہ ترقی پذیر تھا۔ اس واسطے بعض دردمندوں نے دوا پیش کی، مگر انکار فرمایا۔ اسی وقت غشی کا دورہ آ گیا اور تیمارداروں نے منہ کھول کر دوا پلا دی۔ افاقہ کے بعد جب اس کا احساس ہوا، تو فرمایا: اب یہی دوا ان پلانے والوں کو بھی پلائی جائے۔ یہ اس لیے کہ جس وجودِ باوجود کی صحت کے لیے ایک دل گرفتہ دنیا دعائیں کر رہی تھی، وہ اپنے اللہ کی دعوت کو اس طرح قبول کر چکا تھا کہ اب اس میں نہ دعا کی گنجائش باقی تھی اور نہ دوا کی۔

یوم وفات

9 ربیع الاول (دوشنبہ) کو مزاجِ اقدس میں قدرے سکون تھا، نماز صبح ادا کی جا رہی تھی کہ حضور ﷺ نے مسجد اور حجرہ کا درمیانی پردہ سرکا دیا۔ اب چشم اقدس کے روبرو نمازیوں کی صفیں مصروف رکوع و سجود تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس پاک نظارے کو جو حضور ﷺ کی پاک تعلیم کا نتیجہ تھا، بڑے اشتیاق سے ملاحظہ فرمایا اور جوش مسرت میں ہنس پڑے۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ مسجد میں تشریف لا رہے ہیں، نمازی بے اختیار سے ہو گئے، نمازیں ٹوٹنے لگیں اور صدیق رضی اللہ عنہ جو امامت کرا رہے تھے، نے پیچھے ہٹنا چاہا، مگر حضور ﷺ نے اشارہ مبارک سے سب کو تسکین دی اور چہرۂ انور کی ایک جھلک دکھا کر پھر حجرے کا پردہ ڈال دیا۔ اجتماع اسلام کے لیے رسول ﷺ کا یہ جلوۂ زیارت کا آخری تھا اور شاید یہ انتظام بھی خود قدرت کی طرف سے ہوا کہ رفیقان صلوٰۃ جمالجہاں آرا کی آخری جھلک دیکھتے جائیں۔

9 ربیع الاول کی حالت صبح ہی سے نہایت عجیب تھی۔ ایک سورج بلند ہو رہا تھا اور دوسرا سورج غروب ہو رہا تھا۔ کاشانہ نبوی میں پے در پے غشی کے بادل آئے اور رسول اللہ ﷺ کے وجود اقدس پر چھا گئے۔ ایک بے ہوشی گزر جاتی تھی، تو دوسری پھر وارد ہو جاتی تھی۔ انہیں تکلیفوں میں پیاری بیٹی کو یاد فرمایا۔ وہ مزاج اقدس کا یہ حال دیکھ کر سنبھل نہ سکیں۔ سینہ مبارک سے لپٹ گئیں اور رونے لگیں۔ بیٹی کو اس طرح نڈھال دیکھ کر ارشاد فرمایا:

”میری بیٹی! رو نہیں، میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہنا۔ اسی میں ہر شخص کے لیے سامان تسکین موجود ہے۔“

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا آپ کے لیے بھی؟ فرمایا: ہاں، اس میں میری بھی تسکین ہے۔ جس قدر رسول اللہ ﷺ کا درد و کرب بڑھ رہا تھا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کلیجہ بھی کٹتا

جا رہا تھا۔ حضرت رحمۃ للعالمین ﷺ نے ان کی اذیت کو محسوس کر کے کچھ کہنا چاہا، تو پیاری بیٹی نے سرور کائنات ﷺ کے لبوں سے اپنے کان لگا دیئے۔ آپ نے فرمایا:

''بیٹی میں اس دنیا کو چھوڑ رہا ہوں۔''

فاطمہ رضی اللہ عنہا بے اختیار رو دیں۔

پھر فرمایا: ''فاطمہ رضی اللہ عنہا! میرے اہل بیت میں تم سب سے پہلے مجھے ملو گی۔''

فاطمہ رضی اللہ عنہا بے اختیار ہنس دیں کہ جدائی قلیل ہے۔ [1]

پیغمبر انسانیت ﷺ کی حالت نازک ترین ہوتی جا رہی تھی۔ یہ حال دیکھ کر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہنا شروع کیا: واکرب اباہ ہائے میرے باپ کی تکلیف ہائے میرے باپ کی تکلیف! فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا! آج کے بعد تمہارا باپ کبھی بے چین نہیں ہوگا۔ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ بہت غمگین ہو رہے تھے، انہیں پاس بلایا، دونوں کو چوما، پھر ان کے احترام کی وصیت فرمائی۔ پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو طلب فرمایا اور انہیں نصیحتیں فرمائیں۔ اسی دوران میں ارشاد فرماتے تھے:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (4/النساء: 69)

''ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام فرمایا''

کبھی ارشاد فرماتے: اَللّٰهُمَّ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى ''اے خداوند! بہترین رفیق۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ آپ نے سر مبارک کو اپنی گود میں رکھ لیا۔ انہیں بھی نصیحت فرمائی۔ پھر ایک دم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ وَمَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔

نماز، نماز، لونڈی، غلام اور پسماندگان

اب نزع کا وقت آ پہنچا تھا۔ رحمۃ للعالمین ﷺ، عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ پانی کا پیالہ پاس رکھا تھا، اس میں ہاتھ ڈالتے تھے، اور چہرۂ انور پر پھیر لیتے تھے۔ روئے اقدس کبھی سرخ ہو جاتا تھا اور کبھی زرد پڑ جاتا تھا۔ زبان مبارک آہستہ آہستہ ہل رہی تھی

''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٌ''

''خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور موت تکلیف کے ساتھ ہے''۔ [2]

عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک تازہ مسواک کے ساتھ آئے تو حضور پاک ﷺ نے

[1] بخاری باب مرض النبی [2] بخاری

مسواک پر نظر جما دی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ مسواک فرمائیں گے۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے دانتوں میں نرم کر کے مسواک پیش کی اور آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی، دہان مبارک پہلے ہی طہارت کا سراپا تھا، اب مسواک کے بعد اور بھی مجلّا ہو گیا، تو یک لخت ہاتھ اونچا کیا کہ گویا کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ اور پھر زبان قدس سے نکلا: بَلِ الرَّفِيْقُ الْاَعْلٰى ، بَلِ الرَّفِيْقُ الْاَعْلٰى ۔ تیسری آواز پر ہاتھ لٹک آئے، پتلی اوپر کو اٹھ گئی اور روح شریف عالم قدس کو ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئی۔ [1]

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

یہ ربیع الاول 9 ھ دوشنبہ کا دن اور چاشت کا وقت تھا۔ عمر مبارک قمری حساب سے 63 سال اور 4 دن ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (2/البقرہ:156)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں اضطراب عظیم

خبر وفات کے بعد مسلمانوں کے جگر کٹ گئے، قدم لڑکھڑا گئے، چہرے بجھ گئے، آنکھیں خون بہانے لگیں۔ ارض و سماء سے خوف آنے لگا، سورج تاریک ہو گیا، آنسو بہہ رہے تھے اور نہیں تھمتے تھے۔ کئی صحابہ رضی اللہ عنہم حیران و سرگردان ہو کر آبادیوں سے نکل گئے۔ کوئی جنگل کی طرف بھاگ گیا، جو بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا۔ جو کھڑا تھا اس کو بیٹھ جانے کا یارا نہ ہوا۔ مسجد نبوی قیامت سے پہلے قیامت کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور چپ چاپ حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں داخل ہو گئے۔ یہاں حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میت پاک پڑی تھی۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے چہرۂ اقدس سے کپڑا اٹھا کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور پھر چادر سے ڈھک دی اور رو کر کہا:

”حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ قربان! آپ کی زندگی بھی پاک تھی اور موت بھی پاک ہے۔ واللہ! اب آپ پر دو موتیں وارد نہیں ہوں گی۔ اللہ نے جو موت لکھ رکھی تھی، آج آپ نے اس کا ذائقہ چکھ لیا اور اب اس کے بعد موت ابد تک آپ کا دامن نہ چھو سکے گی۔“ [2]

جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ غایت بے بسی سے نڈھال کھڑے تھے اور بڑے درد و جوش سے یہ اعلان کر رہے تھے۔

”منافقین کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں۔ واللہ آپ نے وفات

[1] بخاری، کتاب المغازی باب مرض النبی
[2] بخاری، باب مرض النبی

نہیں پائی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح طلب کیے گئے ہیں جو 40 روز غائب رہ کر واپس آ گئے تھے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت بھی یہی کہا جاتا تھا کہ آپ وفات پا گئے ہیں۔ خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انہیں کی طرح دنیا میں واپس تشریف لائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو آپ پر وفات کا الزام لگاتے ہیں۔''

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کلام سنا، تو فرمایا عمر! عمر سنبھلو، اور خاموش ہو جاؤ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی وارفتگی میں بہے چلے گئے، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہایت دانشمندی کے ساتھ ان سے الگ ہٹ گئے اور خود گفتگو شروع کر دی۔ جب حاضرین مسجد بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو گئے، تو آپ نے پہلے حمد وثناء بیان کی۔ پھر فرمایا:

''اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوجتا تھا، وہ سمجھ لے کہ محمد وفات پا گئے ہیں اور جو شخص خدا کا پرستار ہے، وہ جان لے کہ خدا تعالیٰ زندہ ہے اور وہ کبھی مرے گا نہیں، اور یہ حقیقت خود قرآن پاک نے واضح کر دی ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○ (3/آل عمران:144)

''نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول۔ ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں، تو تم دین سے برگشتہ ہو جاؤ گے؟ جو شخص برگشتہ ہو جائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو جزا دے گا۔''

اس آیت پاک کو سن کر تمام مسلمان چونک پڑے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''خدا کی قسم! ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت اس سے پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی''۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سن کر میرے پاؤں ٹوٹ گئے اور کھڑے رہنے کی قوت باقی نہیں رہی تھی، میں زمین پر گر پڑا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ واقعی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت فرما گئے ہیں۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا غم سے نڈھال تھیں اور فرما رہی تھیں:

''پیارے باپ نے دعوتِ حق کو قبول کیا اور فردوس بریں میں نزول فرمایا۔ آہ!
وہ کون ہے جو جبریل امین کو اس حادثۂ غم کی اطلاع کردے۔''
الٰہی! فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کے پاس پہنچادے،
الٰہی! مجھے دیدار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسرت عطا فرمادے۔''
الٰہی! مجھے اس معیت کے ثواب سے بہرہ ور کردے۔
الٰہی! مجھے رسولِ امین کی شفاعت سے محروم نہ رکھنا۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دل و جان پر غم کی گھٹائیں چھا گئی تھیں اور زبان اخلاقِ پیغمبری کی ترجمانی کر رہی تھی:

''حیف، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نے تمول پر فقیری کو چن لیا، جس نے تونگری کو ٹھکرادیا اور مسکینی قبول کرلی۔''

''آہ! وہ دین پرور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو امت عاصی کے غم میں ایک پوری رات بھی آرام سے نہ سویا۔''

''آہ! وہ صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہمیشہ آٹھوں پہر نفس سے جنگ آزمارہا۔''

''آہ! وہ اللہ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نے ممنوعات کو کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔''

''آہ! وہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کا بابِ فیض فقیروں اور حاجت مندوں کے لیے کھلا رہتا تھا۔ جس کا رحیم دل اور پاک ضمیر کبھی دشمنوں کی ایذا رسانی سے غبار آلود نہ ہوا۔''

''جس کے موتی جیسے دانت توڑے گئے اور اس نے پھر بھی صبر کیا۔''

''جس کی پیشانی انور کو زخمی کیا گیا اور اس نے پھر بھی دامن عفو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔''

''آہ! کہ آج وجود سرمدی سے ہماری دنیا خالی ہے۔''

تجہیز و تکفین

سہ شنبہ سے تجہیز و تکفین کا کام شروع ہوا۔ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پردہ تان کر کھڑے ہوگئے۔ انصار نے دروازہ پر دستک دی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری خدمت گزاری میں اپنا حصہ طلب کرنے آئے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کو اندر بلایا، وہ پانی کا گھڑا بھر کر لاتے

تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جسم مبارک سینہ سے لگا رکھا تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

''میرے مادر و پدر قربان! آپ کی وفات سے وہ دولت گم ہوئی ہے، جو کسی دوسری موت سے گم نہیں ہوئی۔''

''آج نبوت، اخبارِ غیب اور نزول وحی کا سلسلہ کٹ گیا ہے۔''

''آپ کی وفات سے تمام انسانوں کے لیے یکساں مصیبت ہے۔''

''اگر آپ صبر کا حکم نہ دیتے اور گریہ وزاری سے منع نہ فرماتے تو ہم دل کھول کر آنسو بہاتے، لیکن پھر بھی یہ دکھ لاعلاج ہوتا اور یہ زخم لازوال رہتا۔''

''ہمارا درد بے درماں ہے، ہماری مصیبت بے دوا ہے۔''

''اے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے والدین آپ پر قربان، جب آپ بارگاہِ الٰہی میں پہنچیں، تو ہمارا ذکر فرمائیں اور ہم لوگوں کو فراموش نہ کردیں۔'' [1]

تین سوتی سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا، چونکہ وصیت پاک یہ تھی کہ آپ کی قبر ایسی جگہ نہ بنائی جائے کہ اہل عقیدت اسے سجدہ گاہ بنالیں، اس لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق حجرۂ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں قبر کھودی گئی، جہاں آپ نے انتقال فرمایا تھا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے لحدی قبر کھودی، چونکہ زمین میں نمی تھی، اس واسطے وہ بستر جس میں وفات پائی تھی، قبر میں بچھا دیا گیا۔ جب تیاری مکمل ہوگئی، تو اہل ایمان نماز کے لیے ٹوٹ پڑے۔ چونکہ جنازہ حجرہ کے اندر تھا، اس واسطے باری باری جماعتیں اندر جاتی تھیں اور نمازِ جنازہ ادا کرتی تھیں۔ اس نماز میں امام کوئی نہیں تھا۔ پہلے کنبہ والوں نے جنازہ پڑھا، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، مردوں نے الگ جنازہ پڑھا، عورتوں نے الگ اور بچوں نے الگ، یہ سلسلہ رات اور دن برابر جاری رہا۔ اس لیے تدفین مبارک چہارشنبہ کی شب کو یعنی رحلت پاک سے 32 گھنٹے بعد عمل میں آئی۔ جسم مبارک کو علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا اور آخر علم کے چاند، دین کے سورج اور اتقاء کے گلزار کو اہل دنیا کی نگاہ سے اوجھل کردیا گیا۔

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

[1] کتاب الام للشافعی

متروکات

صاحب ''سیرۃ النبی ﷺ'' نے کتنا اچھا لکھا ہے: حضور پاک ﷺ اپنی زندگی ہی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے۔ پہلے ہی اعلان فرما چکے تھے: ''لا نورث ماترکنا صدقة''۔ ہم نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑیں، وہ صدقہ ہے۔ عمرو بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا۔ نہ درہم، نہ دینار نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کچھ اور، صرف اپنا سفید خچر، ہتھیار اور کچھ زمین تھی، جو عام مسلمانوں پر ہبہ کر گئے۔

آثارِ متبرکہ چند یادگاریں صحابہ کے پاس باقی رہیں۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس موئے مبارک تھے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس موئے مبارک کے علاوہ نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ تھا۔

ذوالفقار، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس وہ کپڑے تھے، جن میں انتقال فرمایا۔

مہر منور اور عصائے مبارک سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوئے۔

ان کے علاوہ سب سے بڑی نعمت اور دولت جو عرش عظیم سے بھی زیادہ بیش قیمت تھی، آپ اس پوری انسانیت کو عطا فرما گئے۔ یہ نعمت عظیم اللہ کی کتاب قرآن ہے۔

وقد ترکت فیکم لن تضلوا بعدهٗ ان اعتصمتم به کتاب اللّٰه۔

''اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لوگے، تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ اللہ کی کتاب ہے۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

جنہوں نے جودوسخا اور مہرووفا کو نئے معنی دیئے ''نحیف ونزار جسم میں آہنی عزائم رکھنے والے'' صداقت کے پیکر، دیانت وامانت میں بے مثال، حسن اخلاق اور فہم وفراست میں باکمال، ''عزم واستقلال کے پہاڑ، دنیا میں جنت کی بشارت پانے والے۔

خلافت اسلامیہ کے بانی انہوں نے اپنے اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں تمام مشکلات کا قلع قمع کر کے خلافت اسلامیہ کو اتنی مضبوط بنیاد فراہم کردی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر بلندو بالا عمارت کھڑی کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اگر میں اللہ کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے بلاشبہ لوگوں میں کوئی شخص ایسا نہیں جس کا جان و مال کے اعتبار سے ابوبکر سے بڑھ کر مجھ پر احسان ہو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پوری امت میں سب سے افضل سیدنا صدیق ہیں جو اس کے خلاف کہے وہ جھوٹا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایمان وخلوص حسن اخلاق قربانی وایثار اور مجد وشرف میں کوئی انکا ثانی نہ تھا۔

نام	عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ
کنیت	ابوبکر رضی اللہ عنہ
لقب	صدیق رضی اللہ عنہ
قبول اسلام کے وقت عمر رضی اللہ عنہ	38 سال
ہجرت کے وقت عمر	51 سال
خلافت کے وقت عمر	61 سال
خلافت کی مدت	2 سال 3 ماہ 10 دن
تاریخ وفات	21 جمادی الآخر 13 ہجری (22 اگست 634ء)
وفات کے وقت عمر	63 سال

اضافہ طارق اکیڈمی

وفات صدیق رضی اللہ عنہ

زندگی پر حسرت

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صرف دو برس 3 مہینے اور گیارہ دن زندہ رہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق کا صدمہ آپ سے برداشت نہیں ہوا۔ ہر روز لاغر و نحیف ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ سفر آخرت اختیار کر لیا۔ آپ نے وفات نبوی کے بعد سب کو تسکین کا پیغام سنایا، مگر آپ کے دل کی بے قراری کم نہ ہوئی۔ ایک روز درخت کے سائے میں ایک چڑیا کو اچھلتے اور پھدکتے دیکھا، ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس سے فرمایا:

"اے چڑیا! تو کس قدر خوش نصیب ہے، درختوں کے پھل کھاتی ہے اور ٹھنڈی چھاؤں میں خوش رہتی ہے، پھر موت کے بعد تو وہاں جائے گی، جہاں تجھ سے کچھ باز پرس نہ ہوگی۔ اے کاش! ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس قدر خوش نصیب ہوتا۔

کبھی فرماتے، اے کاش میں درخت ہوتا کھا لیا جاتا یا کاٹ دیا جاتا۔

کبھی فرماتے: اے کاش! میں سبزہ ہوتا اور چار پائے مجھے چر لیتے۔

ان ارشادات درد سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رحلت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی درد و گداز کی کیفیتیں کہاں تک پہنچ چکی تھیں۔

آغازِ علالت

ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس ہدیہ میں گوشت آیا تھا۔ آپ حارث بن کلدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کو تناول فرما رہے تھے کہ حارث نے کہا: یا امیر المومنین: آپ نہ کھائیں مجھے اس میں زہر کی آمیزش کا اشتباہ ہو رہا ہے۔ آپ نے ہاتھ کھینچ لیا، مگر اسی روز سے دونوں صاحب مضمحل رہنے لگے۔ 7 جمادی الاخری (دوشنبہ) 13ھ کو آپ نے غسل فرمایا تھا۔ اسی روز سردی سے بخار ہو گیا اور پھر نہیں سنبھلے۔ جب تک جسم پاک میں آخری توانائی باقی

تھی، مسجد نبوی میں تشریف لاتے رہے اور نماز پڑھاتے رہے، لیکن جب مرض نے غلبہ پالیا، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ آئندہ آپ نماز پڑھائیں۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حاضر ہو کر عرض کیا اگر آپ اجازت دیں، تو ہم کسی طبیب کو بلا کر آپ کو دکھا دیں۔ فرمایا: طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ وہ پوچھنے لگے: اس نے کیا کہا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: **فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ**۔ (البروج: 85/16) وہ کہتا ہے: میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب

جب طبیعت زیادہ کمزور ہو گئی، تو آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کا فکر پیدا ہوا۔ آپ چاہتے تھے کہ مسلمان کسی طرح فتنۂ اختلاف سے مامون رہ جائیں۔ اس لیے رائے مبارک یہ ہوئی کہ اہل الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے خود ہی نامزدگی کر دیں۔ پہلے آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے عرض کیا: آپ ان کی نسبت جتنی بھی اچھی رائے قائم کر لیں، میرے نزدیک وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہیں، ہاں ان میں کسی قدر تشدد ضرور ہے۔ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ان کی سختی اس لیے تھی کہ میں نرم تھا۔ جب ان پر ذمہ داری پڑ جائے گی، تو وہ از خود نرم ہو جائیں گے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رخصت ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور رائے دریافت کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: پھر بھی آپ کی رائے کیا ہے؟ عرض کیا: ''میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر رضی اللہ عنہ باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ان کی مثل ہم لوگوں میں اور کوئی نہیں۔''

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے بھی استفسار فرمایا۔ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے کہا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا باطن پاک ہے، وہ نیکوکاروں کے دوست اور بدوں کے دشمن ہیں۔ مجھے ان سے زیادہ قوی اور مستعد شخص نظر نہیں آتا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح یہ سلسلہ جاری رکھا اور مدینہ بھر میں یہ خبر عام ہو گئی کہ آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرما رہے ہیں۔ اس پر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہا آپ جانتے ہیں کہ آپ کی موجودگی میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہم لوگوں سے کیا برتاؤ تھا؟ جب وہ خلیفہ ہو گئے، تو معلوم نہیں کیا کریں؟ آپ بارگاہِ الٰہی میں چلے جا رہے ہیں، غور کر لیجیے، آپ اللہ تعالیٰ کو اس کا کیا جواب دیں گے؟ فرمایا: میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو مقرر کیا ہے، جو سب سے اچھا تھا۔ پھر فرمایا: جو کچھ میں اب

کہہ رہا ہوں، عمر رضی اللہ عنہ اس سے بھی زیادہ اچھے ہیں۔"

وصیت نامہ

تکمیل مشاورت کے بعد آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور فرمایا: عہد نامہ خلافت لکھئے۔ابھی چند سطریں لکھی گئی تھیں کہ آپ کو غش آ گیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ "میں عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔" تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا، تو حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جو کچھ لکھا ہے، وہ پڑھ کر سناؤ۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ساری عبارت پڑھ دی، تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور کہا: "خدا تعالیٰ تم کو جزائے خیر عطا فرمائے"۔

وصیت نامہ تیار ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجد میں بھیج دیا تا کہ مسلمانوں کو سنا دیں اور خود بھی بالا خانے پر تشریف لے گئے۔شدت ضعف کے باعث اپنے قدموں پر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔اس واسطے ان کی بی بی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے تھیں۔نیچے آدمی جمع تھے، ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"کیا تم اس شخص کو قبول کرو گے جسے میں تم پر خلیفہ مقرر کروں۔خدا کی قسم! میں نے غور و فکر میں ذرا برابر کمی نہیں کی، اس کے علاوہ میں نے اپنے کسی قریب و عزیز کو بھی تجویز نہیں کیا۔ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔جو کچھ میں نے کیا ہے، اسے تسلیم کر لو۔"

وصیت نامہ کے الفاظ یہ تھے: "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"

یہ ابو بکر بن ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کا وصیت نامہ ہے جو اس نے آخر وقت دنیا میں جب کہ وہ اس جہان سے کوچ کر رہا ہے اور شروع وقت آخرت میں جب کہ وہ عالم بالا میں داخل ہو رہا ہے، قلمبند کرایا ہے، ایسے وقت کی نصیحت ہے جس وقت کافر ایمان لے آتے ہیں، بدکار سنبھل جاتے ہیں اور جھوٹے حق کے روبرو گردن جھکا دیتے ہیں، میں نے اپنے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تم پر امیر مقرر کیا ہے، لہٰذا تم ان کا حکم ماننا، اور اطاعت کرنا۔ میں نے اس معاملے میں خدا کی، رسول کی، اسلام کی، خود اپنی اور آپ لوگوں کی خدمت کا پورا لحاظ رکھا ہے اور کوئی کوتاہی نہیں کی۔اب اگر عمر رضی اللہ عنہ عدل کریں گے، تو ان کے متعلق میرا علم اور حسن ظن یہی ہے۔اگر وہ بدل جائیں، تو ہر شخص اپنے کیے کا جواب دہ

ہے۔ میں نے جو کچھ بھی کیا ہے نیک نیتی سے کیا ہے اور غیب کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے، جو لوگ ظلم کریں گے، وہ اپنا انجام جلد دیکھ لیں گے
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔"

آخری وصایا اور دُعا

اس کے بعد آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خلوت میں بلایا اور مناسب وصیتیں کیں، پھر ان کے لیے بارگاہِ خداوندی میں دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیئے اور کہا:

"خداوندا! میں نے یہ انتخاب اس لیے کیا ہے تاکہ مسلمانوں کی بھلائی ہو جائے۔ مجھے یہ خوف تھا کہ وہ کہیں فتنۂ نفاق وفساد میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اے مالک! جو کچھ میں نے کیا ہے، تو اسے بہتر جانتا ہے۔ میرے غور وفکر نے یہی رائے قائم کی تھی اور اس لیے میں نے ایک ایسے شخص کو والی مقرر کیا ہے۔ جو میرے نزدیک سب سے زیادہ مستقل مزاج ہے اور سب سے زیادہ مسلمانوں کی بھلائی کا آرزومند ہے۔ اے اللہ! میں تیرے حکم سے اس دنیائے فانی کو چھوڑتا ہوں۔ اب تیرے بندے تیرے حوالے، وہ سب تیرے بندے ہیں، ان کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے۔ یا اللہ! مسلمانوں کو صالح حاکم عنایت فرما، عمر رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین کی صف میں جگہ عطا کر اور اس کی رعیت کو صلاحیت سے بہرہ مند فرما۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ولایت وقبولیت کا اعجاز تھا کہ اس قدر اہم، کٹھن اور پیچیدہ معاملہ اس قدر سہولت اور خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔ پہلے اور پچھلے مسلمانوں کا یہ فتویٰ ہے کہ خلافت پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تقرر سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کا اسلام اور اس امت پر اس قدر بڑا احسان ہے کہ قیامت تک اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت کے چند سالوں میں جو کچھ کیا، اس کی صحیح حیثیت یہ ہے کہ اسلام کی طاقت فرشِ زمین پر بکھری پڑی تھی، آپ نے اسے جمع کیا اور پھر عرشِ عظیم تک پہنچا دیا۔

حساباتِ دنیا کی بے باقی

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے غابہ کی 20 وسق کھجوریں مجھے ہبہ کر دی تھیں۔ جب مرض کا غلبہ ہونے لگا، تو ارشاد فرمایا: بیٹی! میں تمہیں ہر حال میں خوش دیکھنا

چاہتا ہوں، تمہارے افلاس سے مجھے دکھ ہوتا ہے اور تمہاری خوش حالی سے مجھے راحت ملتی ہے۔ غابہ کی جو کھجوریں میں نے ہبہ کی تھیں۔ اگر تم نے ان پر قبضہ کر لیا ہو تو خیر، ورنہ میری موت کے بعد وہ کھجوریں میرا ترکہ ہوں گی، تمہارے دوسرے دو بہن بھائی ہیں، ان کھجوروں کو از روئے قرآن ان سب میں تقسیم کر دینا۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بزرگ باپ! میں حکم والا کی تعمیل کروں گی۔ اگر اس سے بہت زیادہ مال ہوتا، تو بھی میں آپ کے ارشاد پر اسے چھوڑ دیتی۔

وفات سے کچھ عرصہ پہلے ارشاد فرمایا: بیت المال کے وظیفہ کا حساب کیا جائے جو میں نے آج تک وصول کیا ہے۔ حساب کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ کل 6 ہزار درہم یا 15 سو روپیہ دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: میری زمین فروخت کر کے یہ تمام رقم ادا کر دی جائے۔ اسی وقت زمین فروخت کی گئی اور رسول امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یارِ غار کے ایک ایک بال کو بیت المال کے بار سے سبکدوش کر دیا گیا۔ جب یہ ادائیگی ہو چکی، تو ارشاد فرمایا: تحقیقات کی جائے کہ خلافت قبول کرنے کے بعد میرے مال میں کیا کچھ اضافہ ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ پہلا اضافہ ایک حبشی غلام ہے جو بچوں کو کھلاتا ہے اور مسلمانوں کی تلواریں صیقل بھی کرتا ہے۔ دوسرا اضافہ ایک اونٹنی کا ہے، جس پر پانی لایا جاتا ہے۔ تیسرا اضافہ ایک سوا روپے کی چادر کا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میری وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں خلیفۂ وقت کے پاس پہنچا دی جائیں۔ رحلت مبارک کے بعد جب یہ سامان خلیفہ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا تو آپ رو پڑے اور کہا:

"اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تم اپنے جانشینوں کے واسطے کام بہت دشوار کر گئے ہو۔"

آخری سانس میں ادائے فرض

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حیاتِ پاک کا آخری دن تھا کہ سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ نائب سالارِ عراق آ پہنچے۔ اس وقت سیدنا امیر المومنین رضی اللہ عنہ جان کنی کے آخری مراحل سے گزر رہے تھے۔ سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی آمد معلوم ہوئی، تو کسی خطرے کا احساس کر کے انہیں اسی وقت بلا بھیجا۔ انہوں نے محاذ جنگ کے تمام حالات تفصیل سے بیان کیے اور کہا کہ کسریٰ نے اپنی تازہ دم فوجیں محاذِ عراق پر بھیج دی ہیں۔ حالات سن کر اسی حال میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے ارشاد فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ! جو کچھ میں کہتا ہوں اسے سنو اور اس پر عمل کرو۔ مجھے اُمید ہے کہ آج میری زندگی ختم ہو جائے گی۔ اگر دن میں میرا دم نکلے، تو شام سے پہلے، اور اگر رات میں نکلے، تو صبح سے پہلے مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے کمک بھیج دینا۔ پھر فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ! کسی بھی مصیبت کی وجہ سے دین اسلام کی خدمت اور حکم ربانی کی

تعمیل کو کل پر ملتوی نہ کرنا۔ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی وفات سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کونسی مصیبت ہو سکتی تھی، مگر تم نے دیکھا کہ اس روز بھی جو کچھ میں نے کرنا تھا، میں نے کر دیا۔ خدا کی قسم! اگر میں اُس روز حکم خداوندی کی تعمیل سے غافل ہو جاتا، تو اللہ تعالیٰ ہم پر تباہی کی سزا مسلط کر دیتا اور مدینہ کے گوشے گوشے میں فساد کی آگ بھڑک اُٹھتی۔ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شام میں کامیابی عطا فرمائے، تو پھر خالد رضی اللہ عنہ کی فوجوں کو عراق کے محاذ پر بھیج دینا، اس لیے کہ وہ آزمودہ کار بھی ہیں اور عراق کے حالات سے باخبر بھی ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دردمندیاں

انتقال کے روز دریافت فرمایا: ''محمد ﷺ نے کس روز رحلت فرمائی تھی؟ لوگوں نے کہا: دوشنبہ (پیر) کے روز۔ ارشاد فرمایا: میری آرزو بھی یہی ہے کہ میں آج رخصت ہو جاؤں۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دے، تو میری قبر آنحضرت ﷺ کی مرقد مبارک کے ساتھ بنائی جائے۔ اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا: حضرت محمد ﷺ کو کتنے کپڑوں کا کفن دیا گیا تھا؟ عرض کیا: تین کپڑوں کا، ارشاد فرمایا: میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں۔ دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں، دھو لی جائیں اور ایک کپڑا بنا لیا جائے۔''

سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دردمندانہ کہا: ابا جان! ہم اس قدر غریب نہیں ہیں کہ نیا کفن بھی نہ خرید سکیں۔ ارشاد فرمایا:

''بیٹی! نئے کپڑے کی مردوں کی نسبت زندوں کو زیادہ ضرورت ہے، میرے لیے یہی پھٹا پرانا ٹھیک ہے۔''

موت کی ساعتیں لحہ بہ لحہ قریب آ رہی تھیں۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس ڈوبتے ہوئے چاند کے سرہانے بیٹھی تھیں اور آنسو بہا رہی تھیں۔ غم آلود اور حسرت انگیز خیالات آنسوؤں کے ساتھ ساتھ دماغ کی پنہائی سے اُتر رہے تھے اور زبان سے بہ رہے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ شعر پڑھا:

''بہت سی نورانی صورتیں ہیں، جن سے بادل بھی پانی مانگتے تھے، وہ یتیموں کے فریادرس تھے اور بیواؤں کے پشت پناہ تھے۔''

یہ سن کر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا: میری بیٹی! یہ رسول ﷺ کی شان تھی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا شعر پڑھا:

''قسم ہے تیری عمر کی جب موت کی ہچکی لگ جاتی ہے، تو پھر کوئی زر و مال کام نہیں دیتا۔''

ارشاد فرمایا: یہ نہیں اس طرح کہو

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (50/ق :19)

موت کی بے ہوشی کا صحیح وقت آ گیا، یہ وہ ساعت ہے جس سے تم بھاگتے تھے

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نزع کے وقت میں اپنے باپ کے سرہانے گئی، تو یہ شعر پڑھا:

''جس کے آنسو ہمیشہ رُکے رہیں، ایک دن وہ بھی بہ جائیں گے۔ ہر سوار کی ایک منزل ہوتی ہے اور ہر پہننے والے کو ایک کپڑا دیا جاتا ہے۔''

فرمایا: بیٹی! اس طرح نہیں، حق بات اسی طرح ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (50/ق :19)

موت کی بے ہوشی کا وقت آ گیا، یہ وہی وقت ہے جس سے تم بھاگتے تھے

انتقالِ پاک

پاک زندگی کا خاتمہ اس کلام پاک پر ہوا:۔

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (12/یوسف:101)

''اے اللہ! مجھے مسلمان اٹھا اور اپنے نیک بندوں میں شامل کر''

جب روحِ اقدس نے پرواز کی، تو 22 جمادی الآخر 13ھ تاریخ تھی۔ دوشنبہ کا دن، عشاء اور مغرب کا درمیانی وقت، عمر شریف 63 سال تھی۔ ایام خلافت 2 برس 3 مہینے اور 11 دن۔ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ جسم اطہر پر پانی بہاتے تھے۔ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرقد مبارک کے ساتھ قبر شریف اس طرح کھودی گئی کہ آپ کا سر مبارک حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوشِ پاک کے ساتھ رہے اور قبروں کے تعویذ برابر برابر آ جائیں۔ عمر، طلحہ، عثمان رضی اللہ عنہم اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے میت پاک کو آغوشِ لحد میں اتارا اور ایک ایسی برگزیدہ شخصیت کو جو رسول دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت مسلمہ کی سب سے زیادہ مقبول، بزرگوار اور صالح شخصیت تھی۔ ہمیشہ کے لیے چشم جہاں سے اوجھل کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کا ثمر، خوددار، بلند حوصلہ اور معاملہ فہم، ایک انصاف پرور حکمران بہادری اور جرأت میں بہت مثال، زہد وتقویٰ کے انتہائی بلند مقام پر فائز، 22 لاکھ مربع میل اور کروڑوں دلوں کے عظیم فاتح ...... دنیا میں جنت کی بشارت پانے والے۔

تاریخ کا ایسا لافانی کردار جو اپنے دیو مالائی کارناموں کی وجہ سے افسانوی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور اس کا عدل واحتساب ضرب المثل بن چکا ہے۔

جن کے عہد خلافت میں اسلام ایک جیتے جاگتے نظام حیات کی شکل میں سامنے آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے عمر کے دل اور زبان پر حق جاری کر دیا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے جنازے پر آئے اور فرمایا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اللہ تم پر رحم فرمائے تم نے اپنے بعد کوئی شخص نہیں چھوڑا کہ اس جیسے اعمال لے کر اپنے اللہ سے ملنے کی آرزو کروں۔

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس گھرانے میں عمر رضی اللہ عنہ کی کمی محسوس نہ کی گئی ہو وہ گھرانا برا گھرانا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام مسلمانوں کے لئے طاقت، ان کی ہجرت فتح اور ان کی خلافت رحمت تھی۔

نام	عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
لقب	فاروق
قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر	31 سال
خلافت کے وقت عمر	51 سال
وفات کے وقت عمر	61 سال
تاریخ وفات	بروز بدھ 26 ذوالحجہ 23ھ 644ء
مدت خلافت	10 برس 6 ماہ 4 دن

اضافہ طارق اکیڈمی

شہادت فاروق رضی اللہ عنہ

بارِ خلافت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پاک کے بعد دین توحید اور اُمت مسلمہ کی پاسبانی کا کام ایک پہاڑ تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ بوجھل یہ ناقابل برداشت بوجھ اسلام کے دو مخلص ترین فرزندوں نے متحد ہو کر اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ ان میں پہلی شخصیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تھی اور دوسری سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی، سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی کیفیت یہ تھی کہ انہیں ایک طرف فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم کھائے جا رہا تھا، اور دوسری طرف اسلام اور اُمت کے افکار ان کے دل و دماغ کو پگھلا رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وفاتِ نبوی کے بعد آپ صرف سوا دو سال جی سکے۔ اس کے بعد یہ پورا بوجھ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر آ گیا۔ موصوف نے کس مشقت اور جان کنی سے اپنے فرائض خلافت ادا کیے، اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے کیجیے:

ہرمزان بڑی شان و شوکت کا سپہ سالار تھا۔ یزدگرد شہنشاہِ ایران نے اسے اہواز اور فارس، دو صوبوں کی گورنری دے کر مسلمانوں کے مقابلے میں بھیجا تھا۔ جنگ ہوئی، تو ہرمزان نے اس شرط پر ہتھیار ڈالے کہ اسے مدینہ میں صحیح و سلامت پہنچا دیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی فیصلہ کریں گے، اسے منظور ہوگا۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے ایرانی رئیس اس کے ہمرکاب تھے۔ جب یہ مدینہ کے قریب پہنچا، تو اس نے تاجِ مرصّع سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب بدن کی، کمر سے مرصع تلوار لگائی اور شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا۔ مسجد نبوی کے قریب پہنچ کر پوچھا گیا، امیر المومنین کہاں ملیں گے؟

ایرانیوں کا خیال تھا کہ جس شخص کے دبدبے نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے، اس کا دربار بھی ساز و سامان کا ہوگا۔ ایک بدوی نے اشارہ سے بتایا وہ ہیں امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت صحن مسجد میں فرشِ خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

جب یرموک میں 30 ہزار رومی اپنے پاؤں میں بیڑیاں پہن کر مسلمانوں کے ساتھ لڑے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حال کیا تھا؟ صحیح روایت ہے کہ جب تک یہ لڑائی ہوتی رہی، عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت چین سے نہیں سوئے۔ پھر جب فتح کی خبر پہنچی، تو بے اختیار سجدے میں گر گئے اور آنسو بہانے لگے۔

جنگ قادسیہ میں شہنشاہ ایران نے ملک کی آخری طاقتیں میدانِ جنگ میں جھونک دی تھیں۔ جنگ کی بلا خیزی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ صرف ایک دن کے اندر معرکۂ اغواث میں 10 ہزار ایرانی اور 2 ہزار مسلمان مقتول و مجروح ہوئے تھے۔ دورانِ جنگ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ جب سے قادسیہ کا معرکہ شروع تھا۔ آپ ہر روز طلوعِ آفتاب کے ساتھ مدینہ سے نکل جاتے تھے اور کسی درخت کے نیچے اکیلے کھڑے قاصد کی راہ تکتے رہتے تھے۔ جب قاصد فتح کی خبر لایا، تو آپ اس وقت بھی باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ جب معلوم ہوا کہ سعد رضی اللہ عنہ کا قاصد ہے تو آپ نے حالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ قاصد اونٹ بھگائے جاتا تھا، حالات بیان کرتا جاتا تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رکاب کے ساتھ دوڑے جاتے تھے۔ جب شہر کے اندر مسلمانوں نے انہیں امیر المومنین کہہ کر پکارنا شروع کیا تو قاصد حیرت زدہ رہ گیا کہ آپ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہیں۔ اب قاصد کہتا تھا امیر المومنین! آپ نے اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا، مگر آپ فرماتے تھے: یہ نہ کہو، اپنی اصلی بات جاری رکھو قاصد بیان کرتا گیا، اور آپ اسی طرح رکاب کے ساتھ ساتھ دوڑتے گئے۔

جب خلافت کی ذمہ داری قبول فرما چکے، تو مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع کر کے ارشاد فرمایا: مسلمانو! مجھے تمہارے مال میں اس قدر حق ہے جس قدر کہ یتیم کے سرپرست کو یتیم کے مال میں ہوتا ہے۔ اگر دولت مند ہوا تو کچھ معاوضہ نہیں لوں گا۔ اگر تہی دست ہو گیا، صرف کھانے کا خرچ لوں گا۔ پھر بھی مجھ سے برابر باز پرس کرتے رہنا کہ میں نہ تو بے جا طور پر جمع کروں اور نہ بے جا طور پر خرچ کر سکوں۔ بیماری میں شہد کی ضرورت ہوئی، تو مسجد نبوی میں سب کو جمع کر کے درخواست کی کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں، تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں۔ لوگوں نے منظور کیا، تو شہد لیا۔

رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے اور اس قدر روتے تھے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ آنسوؤں کی روانی سے چہرۂ اقدس پر دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔ سیدنا عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ جب قرأت کرتے ہوئے آیۂ پاک إِنَّمَآ أَشْكُوا۟ بَثِّى وَحُزْنِىٓ إِلَى ٱللَّهِ (12/یوسف:86) پر پہنچے تو اس زور سے روئے کہ لوگ مضطرب ہو گئے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے، جب اس آیت پر پہنچے إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَٰقِعٌ ۝ مَّا لَهُۥ مِن دَافِعٍ ۝ (52/طور:8) تو اس قدر روئے کہ روتے روتے آنکھیں سوج گئیں۔ بعض دفعہ لوگوں کو شبہ ہوتا تھا کہ فرطِ غم سے آپ کا دل چھوٹ جائے گا اور اب آپ بچیں گے نہیں۔ کئی دفعہ حالت اس قدر رقیق ہو جاتی تھی کہ کئی کئی دن تک لوگ بیمار پرسی کرنے آتے تھے۔ ایک صحابی ان اعمال حسنہ کا ذکر رہے تھے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر انجام دیئے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بے قرار ہو گئے اور ارشاد فرمایا:

”مجھے اس ذاتِ پاک کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تو اُسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ اگر اجر نہ ملے تو عذاب ہی سے بچ جاؤں۔“

ایک راستے سے گزر رہے تھے کہ کچھ خیال آیا۔ وہیں آپ زمین کی طرف جھکے اور ایک تنکا اُٹھا لیا، پھر ارشاد فرمایا: ”اے کاش! میں اس تنکے کی طرح خس و خاشاک ہوتا۔

اے کاش! میں پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ اے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔“

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا:

”اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا دنیا کے تمام لوگ بخش دیئے گئے ہیں، تب بھی میرا خوف زائل نہ ہوگا۔ میں سمجھوں گا شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہوں گا۔“

ان خیالات نے آپ کی معاشی زندگی میں بڑی تکلیف پیدا کر دی تھی۔ آپ روم اور ایران کے شہنشاہ بن چکے تھے، پھر بھی آپ سے فقر و فاقہ کی زندگی نہ چھٹی۔ لوگ اس کو محسوس کرتے تھے، مگر آپ راضی برضا تھے۔ ایک دن آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے جرأت کر کے یہ کہہ ہی دیا:

”والد محترم! خدا نے آپ کو بڑا درجہ دیا ہے، آپ کو اچھے لباس اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔“

ارشاد فرمایا: ”اے جانِ پدر! معلوم ہوتا ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فقر و فاقہ

کو بھول گئی ہو۔ خدا کی قسم! میں انہیں کے نقش قدم پر چلوں گا تا آنکہ آخرت
کی مسرت حاصل کروں۔"

اس کے بعد آپ نے رسول اللہ ﷺ کی تنگدستی کا ذکر چھیڑ دیا، یہاں تک کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بے قرار ہو کر رونے لگیں۔ ایک دفعہ یزید بن سفیان نے آپ کی دعوت کی۔ جب دستر خوان پر بعض اچھے کھانے آئے، تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا:

"اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم رسول اللہ ﷺ
کا طریقہ چھوڑ دو گے۔ تو ضرور بھٹک جاؤ گے۔"

حضرت احوض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے گوشت پیش کیا گیا جس میں گھی پڑا ہوا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"یہ ایک سالن نہیں ہے، یہ دو سالن ہیں۔ گھی الگ سالن ہے اور گوشت الگ
سالن ہے۔ پھر اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ دونوں سالنوں کو جمع کر کے
کھایا جائے۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے جسم مبارک پر کبھی نرم کپڑا نہیں دیکھا تھا۔ آپ کے کرتے میں بارہ بارہ پیوند ہوتے تھے۔ سر پر پھٹا عمامہ ہوتا تھا اور پاؤں میں پھٹی جوتی ہوتی تھی۔ پھر جب اسی حال میں قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے، تو مسلمان شرما جاتے، مگر آپ پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں نے مل کر کہا:

"امیر المومنین! خدا نے آپ کو مرتبہ دیا۔ شہنشاہوں کے سفیر آپ کے پاس
آتے ہیں، اب آپ کو اپنی معاشرت بدل دینی چاہیے۔"

فرمایا: افسوس ہے تم دونوں رسول اللہ ﷺ کی ازواج ہو کر مجھے دنیا طلبی کی
ترغیب دیتی ہو؟

اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تم رسول اللہ ﷺ کی حالت کو بھول گئیں، جبکہ گھر میں
صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا، اسی کو آپ دن کے وقت بچھاتے تھے اور اسی کو
رات اوڑھتے تھے۔

اے حفصہ رضی اللہ عنہا! کیا تمہیں یاد نہیں، جب ایک رات تم نے رسول ﷺ کے
بستر کو دہرا کر کے بچھا دیا تو آپ رات بھر سوئے رہے پھر صبح اٹھتے ہی

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''حفصہ یہ تم نے میرے بستر کو دہرا کر دیا اور میں صبح تک سوتا رہا۔ مجھے دنیاوی آسائشوں سے کیا تعلق؟ تم نے فرش کی نرمی سے مجھے کیوں غافل کر دیا؟''

ایک دفعہ کرتہ پھٹ گیا، تو آپ پیوند پر پیوند لگاتے تھے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے روکا تو فرمایا ''اے حفصہ رضی اللہ عنہا! میں مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔''

جب آپ منڈی کی تنبیہ و ہدایت کے لیے بازار میں گشت فرماتے تھے تو کوئی پرانی رسی یا کھجور کی گٹھلی جو سامنے آ جاتی، آپ اٹھا لیتے تھے اور لوگوں کے گھروں میں پھینک دیتے تھے تاکہ لوگ پھر ان سے نفع اٹھائیں۔

ایک دفعہ عتبہ بن فرقد آپ کے پاس آئے دیکھا، کہ اُبلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے سامنے رکھے ہیں اور انہیں زبردستی حلق کے نیچے اتار رہے ہیں۔ ان سے رہا نہ گیا کہنے لگے:

''امیر المومنین! اگر آپ کھانے پینے میں کچھ زیادہ صرف کریں، تو اس سے امت کے مال میں کمی نہیں آ سکتی۔''

''فرمایا: افسوس! کیا تم مجھے عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو؟''

ربیع بن زیاد نے کہا:

''امیر المومنین آپ اپنے خداداد مرتبہ کی وجہ سے عیش و آرام کے زیادہ مستحق ہیں۔''

اب آپ خفا ہو گئے اور فرمایا: ''میں قوم کا امین ہوں۔ کیا امانت میں خیانت جائز ہے؟''

اپنے وسیع کنبہ کے لیے بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے۔ ایک دفعہ سفرِ حج میں کل 80 درہم خرچ آ گئے۔ اس پر بار بار افسوس کرتے تھے کہ مجھ سے فضول خرچی ہو گئی ہے، اس خیال سے بیت المال پر بوجھ نہ پڑے، آپ اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں پر برابر پیوند لگاتے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے، تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کے کرتہ کے پیوند گنے، بارہ شمار میں آئے۔ ابو عثمان کہتے ہیں کہ میں نے آپ کا پاجامہ دیکھا، اس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔

ایک دفعہ سر پر چادر ڈال کر دوپہر میں گشت کے لیے نکلے۔ اسی وقت ایک غلام گدھے پر سوار جا رہا تھا، چونکہ تھک گئے تھے، اس لیے سواری کی خواہش ظاہر کی غلام فوراً اُتر پڑا اور گدھا پیش کیا، فرمایا: ''میں تمہیں اس قدر تکلیف نہیں دے سکتا۔ تم بدستور سوار رہو میں پیچھے بیٹھ جاتا ہوں۔''

اسی حالت میں مدینہ منورہ کے اندر داخل ہوئے، لوگ حیران ہوتے تھے کہ غلام آگے بیٹھا ہے اور امیر المومنین اس کے پیچھے سوار ہیں۔

ایک دفعہ بحرین سے مالِ غنیمت میں مشک اور عنبر آیا اور اسے تقسیم کرنے کے لئے آپ کو ایک ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو نہایت احتیاط کے ساتھ وزن کر سکے۔ آپ کی بیوی نے کہا، میں نہایت ہی خوش اسلوبی سے اس خدمت کو انجام دے سکتی ہوں۔ فرمایا، عاقلہ! میں تجھ سے یہ کام نہیں لوں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ مشک تمہاری انگلیوں میں لگ جائے گا، پھر تم اپنے جسم پر ملو گی اور جواب دِہ اس کا میں ہوں گا۔ انتظام سلطنت کے سلسلے میں کئی دفعہ سفر پر گئے، مگر کبھی خیمہ ساتھ نہ لیا۔ ہمیشہ درخت کے سائے میں ٹھہرتے تھے اور فرش خاک پر اپنا بستر جما لیتے تھے۔ کبھی کسی درخت پر اپنا کمبل تان لیتے تھے اور دوپہر کاٹ لیتے تھے۔

18ھ میں قحط پڑا، اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بے قراری قابل دید تھی۔ گوشت، گھی اور تمام دوسری مرغوب غذائیں ترک فرما دیں۔ ایک دن اپنے بیٹے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا، تو سخت خفا ہوئے۔ کہنے لگے: "مسلمان بھوکے مر رہے ہیں اور تم میوے کھاتے ہو۔"

چونکہ گھی کی بجائے روغن زیتون کھانا شروع کر دیا تھا، اس واسطے ایک روز شکم مبارک میں قرا قر ہوا۔ آپ نے پیٹ میں انگلی چبھو کر فرمایا: "جب تک ملک میں قحط ہے، تمہیں یہی کچھ ملے گا۔"

عکرمہ بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایک وفد نے مل کر عرض کیا کہ اگر آنجناب ذرا بہتر کھانا کھایا کریں، تو اللہ تعالیٰ کے کام میں اور زیادہ قوی ہو جائیں۔ آپ نے پوچھا:

"کیا یہ تمہاری ذاتی رائے ہے یا سب مسلمان اس کا تقاضا کرتے ہیں؟"

عرض کیا گیا یہ سب مسلمانوں کی متفقہ رائے ہے۔ فرمایا:

"میں تمہاری خیر خواہی کا مشکور ہوں، مگر میں اپنے دو پیش رؤوں کی شاہراہ ترک نہیں کر سکتا۔ مجھے ان کی ہم نشینی یہاں کی لذتوں سے زیادہ مرغوب ہے"۔

جو لوگ محاذِ جنگ پر ہوتے، ان کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر انہیں بازار سے سودا سلف لا دیتے۔ اہل فوج کے خطوط آتے، تو خود گھروں میں پھر کر پہنچاتے۔ جس گھر میں کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا، وہاں خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کچھ لکھاتے لکھ دیتے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"کہ ایک روز صبح سویرے مجھے شک ہوا کہ سامنے کے جھونپڑے میں حضرت

عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں۔ پھر خیال آیا کہ امیر المومنین کا یہاں کیا کام؟ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں ایک نابینا ضعیفہ رہتی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ روزانہ اس کی خبر گیری کے لیے آتے ہیں۔"

یہ تھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی روزانہ زندگی۔ اللہ کا بے پناہ خوف، مسلمانوں کی بے پناہ خدمت، شب و روز کی بے پناہ مصروفیتیں، ان سب پر مستزاد یہ کہ ایک رات بھی پاؤں پھیلا کر نہ سوتے تھے اور ایک وقت بھی سیر ہو کر نہ کھاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جسم پاک روز بروز تحلیل ہوتا گیا۔ قوت گھٹ گئی، جسم مبارک سوکھ گیا اور بڑھاپے سے بہت پہلے بڑھاپا محسوس کرنے لگے۔ ان ایام میں اکثر فرمایا کرتے:

"اگر کوئی دوسرا شخص بارِ خلافت اٹھا سکتا، تو خلیفہ بننے کے بجائے مجھے یہ بہت زیادہ پسند تھا کہ میری گردن اڑا دی جائے۔"

23ھ میں کرمان، سجستان، مکران اور اصفہان کے علاقے فتح ہوئے۔ گویا سلطنت اسلامی کی حدود مصر سے بلوچستان تک وسیع ہو گئیں۔ اسی سال آپ نے آخری حج فرمایا۔ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے، راہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور بہت سی کنکریاں جمع کر کے ان پر چادر بچھائی۔ پھر چت لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا کرنے لگے:

"خداوند! اب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ میرے قویٰ کمزور پڑ گئے ہیں اور میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی ہے۔ اب تو مجھے اس حالت میں اُٹھا لے کہ میرے اعمال برباد نہ ہوں اور میری عمر کا پیمانہ اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔"

سامانِ شہادت

کعب بن احبار رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تورات میں دیکھتا ہوں کہ آپ شہید ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: یہ کیسے ممکن ہے کہ عرب میں رہتے ہوئے شہید ہو جاؤں؟ پھر دعا فرمائی: اے خداوندا! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا کر اور اپنے محبوب کے مدینہ کی حدود کے اندر پیغام اجل کی ارزانی فرما۔

ایک دن خطبۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا:

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک مرغ آیا ہے اور مجھ پر ٹھونگیں مار رہا ہے۔ اس کی یہی تعبیر ہو سکتی ہے کہ اب میری وفات کا زمانہ قریب آ گیا۔ میری قوم مجھ سے مطالبہ کر رہی ہے کہ میں اپنا ولی عہد مقرر کروں۔ یاد رکھو کہ میں

موت کا مالک ہوں نہ دین اور خلافت کا، خدا تعالیٰ اپنے دین اور خلافت کا خود محافظ ہے، وہ انہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔"

زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ کوئی مشرک جو بالغ ہو، مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلہ میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ نے آپ کو لکھا کہ یہاں کوفہ میں فیروز نامی ایک بہت ہوشیار نوجوان ہے اور وہ نقاشی نجاری اور آہن گری میں بڑی مہارت رکھتا ہے۔ اگر آپ اسے مدینہ میں داخلے کی اجازت عطا کریں، تو وہ مسلمانوں کے بہت کام آئے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو بھیج دیا جائے۔ فیروز نے مدینہ پہنچ کر شکایت کی کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت زیادہ ٹیکس لگا رکھا ہے، آپ کم کرا دیجیے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ: کتنا ٹیکس ہے؟

فیروز: دو درہم روزانہ (سات آنے)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ: تمہارا پیشہ کیا ہے؟

فیروز: نجاری، نقاشی اور آہن گری۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ: ان صنعتوں کے مقابل میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔

فیروز کے لیے یہ جواب ناقابل برداشت تھا۔ وہ عناد سے لبریز ہوگیا اور دانت پیتا ہوا باہر چلا گیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ امیر المومنین میرے سوا ہر ایک کا انصاف کرتے ہیں۔ چند روز کے بعد حضرت موصوف نے اسے پھر یاد فرمایا اور پوچھا: میں نے سنا ہے کہ تم ایک چکی تیار کر سکتے ہو جو ہوا سے چلے؟ فیروز نے ترش روئی سے جواب دیا کہ میں تمہارے لیے ایک ایسی چکی تیار کروں گا جسے یہاں کے لوگ کبھی نہیں بھولیں گے۔

فیروز رخصت ہوگیا، تو آپ نے فرمایا: یہ نوجوان مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے۔

دوسرے روز ایک دو دھارا خنجر جس کا قبضہ وسط میں تھا، آستین میں چھپایا اور صبح سویرے مسجد کے گوشے میں آ بیٹھا۔ مسجد میں کچھ لوگ صفیں سیدھی کرنے پر مقرر تھے۔ جب وہ صفیں سیدھی کر لیتے تھے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف لاتے اور امامت کراتے تھے۔ اس روز بھی اسی طرح ہوا۔ جب صفیں سیدھی ہوچکیں، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ امامت کے لیے آگے بڑھے اور جونہی نماز شروع کی، فیروز نے دفعتہً گھات میں سے نکل کر چھ وار کیے جن میں ایک ناف کے نیچے پڑا۔ دنیا نے اس دردناک ترین حالت میں خدا پرستی کا ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ اس وقت جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے قدموں

پر گر رہے تھے۔ آپ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا اور خود وہیں زخموں کے صدمہ سے زمین پر گر پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سامنے تڑپ رہے تھے۔ فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا، لیکن آخر وہ پکڑا گیا اور اسی وقت اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اٹھا لایا گیا۔ آپ نے سب سے پہلے یہ دریافت فرمایا کہ میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے عرض کیا: فیروز۔ اس جواب سے چہرۂ انور پر بشاشت ظاہر ہوئی اور زبانِ مبارک سے فرمایا: ''الحمد للہ! میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا۔''

لوگوں کا خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں، اس لیے شفا ہو جائے گی، چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا، اس نے نبیذ اور دودھ پلایا، مگر یہ دونوں زخم کی راہ سے باہر آ گئیں۔ اس سے تمام مسلمانوں پر افسردگی طاری ہو گئی اور وہ سمجھے کہ اب عمر رضی اللہ عنہ جانبر نہ ہو سکیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تنہا زخمی نہیں ہوئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا مدینہ زخمی ہو گیا ہے۔ خلافت اسلامیہ زخمی ہو گئی ہے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ خود اسلام پاک زخمی ہو گیا ہے غم میں ڈوبے ہوئے لوگ آپ کی عیادت کے لیے آتے تھے اور بے اختیار آپ کی تعریفیں کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آئے اور بے اختیار آپ کے فضائل واوصاف بیان کرنے لگے۔ ارشاد فرمایا: اگر آج میرے پاس دنیا بھر کا سونا بھی موجود ہوتا تو میں اسے خوف قیامت سے رستگاری حاصل کرنے کے لیے قربان کر دیتا۔

انتخابِ خلافت کی مہم

جب تک حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے تھے، انہیں نئے انتخاب کا تصور تک نہیں ہوا۔ وہ یوں سمجھتے تھے کہ شاید اسلام کا یہ سب سے بڑا خادم یوں ہی عرصہ دراز تک امت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتا رہے گا۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ ناگہاں بستر پر گر پڑے، تو مسلمانوں کو اب پہلی دفعہ اپنی بے بسی اور اسلام کی تنہائی کا احساس ہوا۔ اب ہر مسلمان کو سب سے پہلا فکر یہی تھا کہ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اس امت کا محافظ کون ہوگا؟ جتنے بھی لوگ خبر گیری کے لیے آتے تھے، یہی عرض کرتے تھے: ''امیر المؤمنین! آپ اپنا جانشین مقرر کرتے جائیے۔'' آپ مسلمانوں کا یہ تقاضا سنتے تھے اور چپ ہو جاتے تھے۔ آخر ارشاد فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ موت کے بعد بھی یہ بوجھ میرے ہی کندھوں پر رہے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ میری آرزو

صرف یہی ہے کہ میں اس مسئلہ سے اس طرح الگ ہو جاؤں کہ میرے عذاب وثواب کے دونوں پلڑے برابر رہ جائیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلافت کے مسئلہ پر مدتوں غور فرمایا تھا اور وہ اکثر اسی کو سوچا کرتے تھے۔ لوگوں نے متعدد مرتبہ ان کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا جاتا، تو ارشاد فرماتے...... میں خلافت کے معاملے میں حیران ہوں، کچھ نہیں سوجھتا۔ بارہا کے غور وفکر کے بعد بھی ان کی نظر کسی ایک شخص پر جمتی نہیں تھی۔ بارہا ان کے منہ سے ایک بے ساختہ آہ نکل جاتی تھی، افسوس، مجھے اس بار کا کوئی اُٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ ایک شخص نے کہا: آپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیوں نہیں مقرر کر دیتے؟ فرمایا:

> ''اے شخص! خدا تجھے غارت کرے، واللہ! میں نے خدا سے کبھی یہ استدعا نہیں کی۔ کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ بنا دوں، جس میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کی بھی صحیح قابلیت موجود نہیں ہے۔''

> اسی سلسلہ میں فرمایا: ''میں اپنے ساتھیوں کو خلافت کے حرص میں مبتلا دیکھ رہا ہوں۔ ہاں اگر آج سالم مولیٰ ابو حذیفہ یا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم زندہ ہوتے، تو میں ان کے متعلق کہہ سکتا تھا۔''

اس ارشادِ مبارک سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ بہت زیادہ پسند تھا کہ انتخابِ خلافت کے مسئلہ کو چھوئے بغیر اس دنیا کو عبور کر جائیں، لیکن مسلمانوں کا اصرار روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ آخر آپ نے فرمایا: ''کہ میرے انتقال کے بعد عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تین دن کے اندر جس شخص کو منتخب کر لیں اُسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔''

سفرِ آخرت کی تیاری

آخری گھڑیوں میں اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا، وہ حاضر ہو گئے تو ارشاد فرمایا: عبداللہ حساب کرو، مجھ پر قرض کتنا ہے؟ حساب لگا کر بتایا گیا کہ 86 ہزار درہم۔ فرمایا یہ قرض آلِ عمر رضی اللہ عنہ کے حساب سے ادا کیا جائے۔ اگر ان میں استطاعت نہ ہو تو خاندانِ عدی سے امداد لی جائے۔ اگر پھر بھی ادا نہ ہو، کل قریش سے لیا جائے، لیکن قریش کے علاوہ دوسروں کو تکلیف نہ دی جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا، جبکہ ان کے ایک وارث نے اپنا حصہ وراثت ایک لاکھ میں بیچا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا، جس کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خریدا اور قرض ادا ہو گیا۔''

تصفیۂ قرض کے بعد بیٹے سے فرمایا: تم ابھی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے التماس کرو عمر رضی اللہ عنہ چاہتا ہے کہ اسے اپنے دور فیقوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا یہ پیغام عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو پہنچایا تو وہ بے حد دردمند ہوئیں اور فرمایا: میں نے یہ جگہ اپنے لیے محفوظ رکھی تھی مگر آج میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔ جب بیٹے نے آپ کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی منظوری کی اطلاع دی، تو بے حد خوش ہوئے اور اس آرزو کی قبولیت پر بہ خلوص و نیاز شکر ادا کرنے لگے۔ اب کرب و تکلیف کی حالت شروع ہو چکی تھی۔ اسی حالت میں لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

> جو شخص خلیفہ منتخب ہو، وہ پانچ جماعتوں کے حقوق کا لحاظ رکھے۔ مہاجرین کا، انصار کا، اعراب کا، ان اہل عرب کا جو دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہوئے ہیں، اور اہل ذمہ کا پھر ہر جماعت کے حقوق کی تشریح فرمائی اور اہل ذمہ کے متعلق ارشاد فرمایا میں خلیفۂ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ، اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے اور اہل ذمہ کے تمام معاہدات پورے کیے جائیں۔ ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور انہیں طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

انتقال سے تھوڑا عرصہ پہلے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: میرے کفن میں بے جا صرف نہ کرنا۔ اگر میں اللہ کے ہاں بہتر ہوں، تو مجھے از خود بہتر لباس مل جائے گا۔ اگر بہتر نہیں ہوں، تو بہتر کفن بے فائدہ ہے۔

پھر فرمایا: میرے لیے لمبی چوڑی قبر نہ کھدوائی جائے۔ اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحق رحمت ہوں، تو خود از خود میری قبر حد نگاہ تک وسیع ہو جائے گی، اگر مستحق رحمت نہیں ہوں، تو قبر کی وسعت میرے عذاب کی تنگی کو دور نہیں کر سکتی۔

پھر فرمایا: میرے جنازہ کے ساتھ کوئی عورت نہ چلے، مجھے مصنوعی صفات سے یاد نہ کیا جائے، اگر میں مستحق رحمت ہوں، تو مجھے رحمت ایزدی تک پہنچانے

میں جلدی کرنی چاہیے، اگر مستحق عذاب ہوں تو ایک برے آدمی کا بوجھ جس قدر جلد سے جلد کندھوں سے اتار پھینکا جائے، اسی قدر بہتر ہوگا۔

ان دردانگیز وصایا کے تھوڑا ہی عرصہ بعد فرشتۂ اجل سامنے آ گیا اور آپ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ یہ ہفتہ کا دن تھا 23ھ، اس وقت عمر 63 برس کی تھی۔ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا اور دنیائے اسلام کے اس درخشندہ ترین آفتاب کو آقائے انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے سلا دیا گیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

مسلمانوں کو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت سے جو صدمہ ہوا، الفاظ سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہر مسلمان نے اپنی عقل کے مطابق انتہائی غم واندوہ کا اظہار کیا۔ اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا جس روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اسی روز اسلام کمزور پڑ گیا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام کے مائی باپ تھے، وہ گزر گئے، تو اسلام یتیم ہو گیا۔ خدا کہتا ہے کہ وہ گزرے نہیں، بلکہ زندہ ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ تک زندہ رہیں گے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

جود وسخا اور صدق وصفا کے پیکر، صداقت امانت اور ایثار وقربانی کے خوگر، شیریں کلام، دو ہجرتوں کا شرف پانے والے، انہیں دنیا میں جنت کی بشارت ملی......

مسلمانوں کو جب بھی مشکل پیش آئی انہوں نے اپنی دولت بے دریغ ان کی فلاح وبہبود پر خرچ کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''الٰہی میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

نام	عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
لقب	ذوالنورین
قبول اسلام کے وقت عمر	36 سال
خلافت سنبھالتے وقت عمر	70 سال
وفات کے وقت عمر	82 سال چند ماہ
مدت خلافت	12 سال
تاریخ وفات	بروز جمعہ 18 ذوالحجہ 35ھ......656ء

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ارشادات

☆ [illegible] اور آخرت کی فکر کرنے سے نور پیدا ہوتا ہے۔

☆ [illegible] وقبر اس کیلئے راحت کدہ ہوگی۔

اضافہ طارق اکیڈمی

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ

دیرینہ خاندانی رقابت

اسلامی تاریخ میں نفاق کی ایک لکیر ہے، یہ لکیر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے کھینچی گئی اور اسی میں اسلام کا پورا جاہ وجلال دفن ہو گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اصل بنیاد بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کی خاندانی رقابت ہے۔ جب تک اس رقابت کی تشریح نہ کی جائے، شہادت کے صحیح اسباب روشنی میں نہیں آسکتے، اس لیے سب سے پہلے ہم اسی مسئلہ کی وضاحت پیش کرنا چاہتے ہیں:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کے پردادا عبد مناف کی شخصیت بہت اہم ہے، ان کے چار بیٹے تھے۔ نوفل، مطلب، ہاشم، عبد شمس۔

بنی ہاشم اور بنی امیہ کی رقابت کے معنی ہیں، ہاشم اور عبد شمس کی اولادوں کی نا اتفاقی، ہاشم اگرچہ عبد شمس سے چھوٹا تھا، لیکن وہ اپ[illegible]یا۔ اُس نے قیصر روم اور نجاشی شاہ حبش سے تجارتی مراعات حاصل کیں اور اس کے بعد خانہ کعبہ کے انتظامات بھی اس کے متعلق ہو گئے۔ یہ سب چیزیں ہاشم کے بھتیجے (عبد شمس کے بیٹے) امیہ کو بہت ناگوار گزریں اور ایک موقع پر اس نے اپنے چچا ہاشم کو لڑائی کا چیلنج دے دیا۔ شرط یہ تھی کہ چچا (ہاشم) اور بھتیجا (اُمیہ) کے درمیان مناظرہ ہو گا۔ قبیلہ خزاعہ کا ایک کاہن مناظرے کا فیصلہ دے گا اور فریقین اس کو منظور کر لیں گے۔ طے پایا کہ ہارنے والا شخص جیتنے والا کو 50 سیاہ چشم اونٹ دے گا اور دس سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ ہاشم اور امیہ میں مناظرہ ہوا۔ جج نے امیہ کی شکست کا اعلان کر دیا۔ امیہ نے پچاس اونٹ دیئے اور شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ بس اسی نقطے سے بنی ہاشم اور بنی امیہ میں عناد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

عہد نبوی میں اُموی اور ہاشمی

بعثت نبوی کے وقت چار آدمی بنی ہاشم کے ستون تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب،

حمزہ رضی اللہ عنہ، عباس رضی اللہ عنہ اور ابولہب، اسی عہد میں بنی امیہ کی قیادت تین آدمیوں کے ہاتھ میں تھی۔ ابوسفیان، عفان اور حکم۔

حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 40 میلادی میں دنیا کے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا۔ آپ چونکہ بنی ہاشم میں سے تھے، اس لیے بنی امیہ کے افراد نے خاندانی رقابت کے باعث آپ کی مخالفت کی اور ان کے مدمقابل بنی ہاشم نے آپ کا ساتھ دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو پالا تھا۔ آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کڑی حمایت کی تھی۔ آپ کے چچا زاد بھائی علی رضی اللہ عنہ نے آپ پر ایمان لانے میں پیش قدمی کی تھی۔ آپ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی بہت جلد آپ پر ایمان لے آئے اور قوتِ بازو ثابت ہوئے۔ آپ کے دوسرے چچا عباس رضی اللہ عنہ اگرچہ دیر میں ایمان لائے۔ پھر بھی آپ کے کافی ہمدرد تھے۔ مختصر یہ کہ بنی ہاشم میں صرف ابولہب دشمن رہا اور باقی سب ہاشمی عباس، حمزہ، جناب ابوتراب علی اور عقیل رضی اللہ عنہم وغیرہ ایمان لے آئے۔ یہ لوگ آپ کے چچا تھے یا آپ کے چچاؤں کی اولاد۔

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں بنی امیہ کے تین سردار تھے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ، عفان اور حکم۔ ان کے بعد ان کے بیٹے رئیس خاندان قرار پائے۔ ابوسفیان کے بیٹے امیر معاویہ، عفان کے فرزند عثمان رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کی اور مسلمان ہو گئے اور باقی سب لوگ عام طور پر پیغمبر اسلام کی مخالفت پر تلے رہے۔ یہاں یاد رکھئے امیر معاویہ، عثمان رضی اللہ عنہم اور مروان یہ تینوں امیہ کے پرپوتے ہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اسباب انہیں تینوں حضرات کے باہمی تعلقات میں مضمر ہیں۔

شجرۂ نسب سے بنی ہاشم اور بنی امیہ کے تعلقات کی کڑیاں ملاحظہ ہوں:
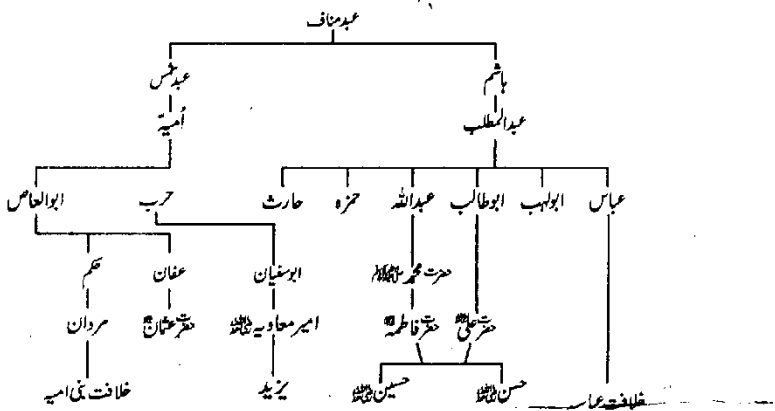
نقطہ دار خطوط بنی امیہ اور بنی ہاشم کے نسلی تصادم کو ظاہر کرتے ہیں۔ امیہ ہاشم سے ٹکرایا۔ ابو سفیان رسول اللہ ﷺ سے لڑا۔ علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ ہوئی۔ یزید نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ مروان کی اولاد سے خلافت بنی امیہ کا سلسلہ جاری ہوا جسے اولادِ عباس نے خلافت عباسیہ قائم کر کے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی مکی زندگی میں بنی ہاشم حضور کے موافق تھے اور بنی امیہ مخالف۔ اسی دوران میں عفان کے بیٹے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ان کا بنی امیہ کے مخالف کیمپ سے تن تنہا ہاشمی کیمپ میں چلے آنا بڑی جرأت و صداقت کی بات تھی اور یہی ایک چیز عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت و نورانیت کی دلیل بھی ہے۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد بنی امیہ کے دوسرے افراد بھی مسلمان ہو گئے اور حضرت محمد ﷺ نے اُن نفسوں کا اس طرح تزکیہ فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کی دیرینہ رقابت محو ہو کر رہ گئی۔ اب اموی اور ہاشمی بھائی بھائی تھے اور ایک دوسرے سے بڑھ کر اسلام کی خدمات انجام دے رہے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب خلافت

پیغمبر انسانیت ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور یہ وقت بڑے امن سے گزرا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور آپ کا زمانہ بھی بڑی کامیابی سے گزرا۔ 23ھ میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا اور وصیت کی کہ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ یہ چھ آدمی تین دن کے اندر اندر کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ پورے دو دن بحث میں گزر گئے اور کوئی بات طے نہ ہوئی۔ تیسرے دن حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم میں سے تین آدمی ایک ایک شخص کے حق میں دستبردار ہو جائیں تاکہ چھ کی بحث تین میں محدود ہو جائے۔ اس پر زبیر، علی رضی اللہ عنہم کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ طلحہ، عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حق میں۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: میں امیدواری سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اب بحث صرف علی اور عثمان رضی اللہ عنہم میں رہ گئی۔ چونکہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایثار کیا تھا۔ اس لیے ان دونوں نے اپنا آخری فیصلہ ان کے سپرد کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام کو مسجد میں جمع کر کے مختصر سی تقریر کی اور اپنا فیصلہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دے دیا اور سب سے پہلے اسی مسجد میں خود بیعت کی۔ اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی اور پھر تمام مخلوق بیعت کے لیے ٹوٹ پڑی اور بنی امیہ کے ایک معزز فرزند عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے جانشین ہو گئے۔ گو اس وقت یہ

بات زبانوں پر نہ آئی ہو، تاہم دلوں نے یہ ضرور محسوس کیا۔ کہ رسولِ ہاشمی کی مسند خلافت پر بنی امیہ کا ایک فرزند متمکن ہوگیا۔ یہ 4 محرم 24ھ کا واقعہ ہے۔

ناموافق اسباب کا ظہور

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے چھ سال بڑے امن سے گزرے، لیکن آخری چھ سالوں میں دنیا کا رنگ ہی پلٹ گیا۔ اس انقلاب کی اصل وجہ صرف ایک تھی وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ مبارک جماعت جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی روشنی میں زندگی اور اتحاد کے سبق سیکھے تھے، اس دنیا سے رخصت ہورہی تھی اور وہ نئی نسلیں جو اس باخدا جماعت کی وارث ہوئیں، تقویٰ اور اتحاد میں ان کی وارث نہ تھیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی فضیلت یہ تھی کہ ان کا جینا اور مرنا محض اللہ کے لیے تھا، چونکہ وہ غرض سے خالی تھے، اس لیے وہ نفاق واختلاف سے بھی خالی تھے، لیکن اب جو نئی نسلیں میدان میں آئیں، وہ اس درجہ بےنفس اور بےغرض نہ تھیں، اور اسی واسطے ان میں اختلاف وانتشار کا رنگ بھی نمایاں تھا اور اقتدار ومفاد کی طلب بھی موجود تھی۔ دلوں پر توحید کا رنگ جس قدر زیادہ ہوگا وہ اسی قدر کھوٹ، خیانت، غرض اور نفاق سے پاک ہوں گے اور وہ دل جو غرض اور نفاق سے پاک ہوں گے، بےتکلف متحد بھی ہوجائیں گے، لیکن جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی اولادوں میں توحید کا جذبہ گھٹا، تو غرضیں بڑھ گئیں اور جس قدر غرضیں بڑھیں، اسی قدر دلوں میں تفاوت پیدا ہوگیا اور اسی تفاوتِ قلوب کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سالوں میں خلافت نبوی اور امارتِ اسلامی کے قلعے پارہ پارہ ہوگئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نفاق کی تین تحریکیں پیدا ہوئیں:

1 بنی امیہ اور بنی ہاشم میں نفاق

ہاشمی لوگ اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث سمجھتے تھے اور خاندانی رقابت کے ماتحت یہ صورت حال انہیں کچھ زیادہ پسندیدہ معلوم نہ ہوتی تھی کہ بنی امیہ کے سردار کا بیٹا رسولِ ہاشمی کے دین وحکومت کا امام ہو۔

2 قریش اور غیر قریش میں نفاق

مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، غیر قریش قبائل نے فتوحاتِ اسلامی میں قریش کے دوش بدوش کام کیا تھا، انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ افسری کا تاج صرف قریش ہی پہنے رہیں۔

3 عرب اور غیر عرب میں نفاق

اسلام کی شعاعیں روم، شام اور مصر تک پھیل چکی تھیں۔ یہودی، مجوسی، عیسائی ہزار ہا کی تعداد میں حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور مساوات اسلامی کے نظریہ کے ماتحت اپنے آپ کو اہل عرب کے مساوی کہتے تھے، انہیں عربوں کی ترجیح گوارا نہ تھی۔ مختصر یہ کہ بنی ہاشم کا دل بنی امیہ سے متحد نہ تھا۔ عام عرب قریش کے اقتدار سے جلتے تھے۔ تمام عجمی عربوں کے اقتدار پر حسد کرتے تھے، یعنی حکومت کے اعلیٰ درمیانی اور ادنیٰ تینوں طبقوں میں حسب مدارج نفاق و اختلاف اور حسد ورقابت نے اپنی تخم ریزیاں شروع کر دی تھیں۔

غیر مطمئن عناصر کی تنظیم

سب سے پہلے کوفہ میں انقلابی اثرات ظاہر ہوئے اور اشتر نخعی نے لوگوں میں یہ خیال پھیلایا کہ از روئے اسلام کوئی حق نہیں ہے کہ چند قریش تمام دنیائے اسلام کو اپنا غلام بنائے رکھیں۔ چونکہ عام مسلمانوں نے ممالک فتح کیے ہیں۔ اس لیے وہ سب امارت کے مستحق ہیں۔ غیر عربی عناصر نے اشتر نخعی کی تلقین کو بڑی تیزی سے قبول کیا۔ ایک سازشی پارٹی بنالی گئی اور سعید بن عاص گورنر کوفہ کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ گورنر نے اپنے بچاؤ کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی منظوری لے کر اس انقلابی پارٹی کے دس لیڈروں کو شام کی طرف جلا وطن کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ میں بھی ایک انقلابی پارٹی پیدا ہوگئی۔ کوفہ اور بصرہ میں جو کام اشتر نخعی نے کیا تھا، عبداللہ بن سبا مصر میں اس کا بیڑا اُٹھا چکا تھا۔ جب عبداللہ بن سبا کو جو ایک یہودی النسل نو مسلم تھا۔ بصرہ اور کوفہ کی سازشی پارٹیوں کا حال معلوم ہوا تو وہ بیحد خوش ہوا اور اس نے بہت ہی تھوڑی محنت سے ان تمام پارٹیوں کو منظم کر کے اس امر پر آمادہ کر لیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسند خلافت سے معزول کر کے بنی امیہ کی طاقت کو توڑا جائے۔ اس نے اپنے مبلغ ہر طرف پھیلا دیئے۔ یہ لوگ دیندار اور مولویت کا لبادہ پہن کر پہلے عام مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرتے تھے۔ پھر انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنروں کے خلاف شکایات سناتے تھے اور خیر خواہی اسلام کے پردے میں خلیفۃ المسلمین سے بدگمان کر دیتے تھے۔

انقلابی پروپیگنڈہ کی کامیابی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ محمد بن ابو حذیفہ اور محمد بن ابوبکر صدیق جیسے آدمی بھی تحریک انقلاب میں شامل ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود مدینہ منورہ کا

حال بھی بگڑنے لگا۔ ایک دن عثمان رضی اللہ عنہ خطبۂ جمعہ کے لئے کھڑے ہوئے آپ حمد وثناء کر رہے تھے کہ مجمع میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: عثمان! کتاب اللہ کی پیروی کر۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نہایت نرمی سے فرمایا: آپ بیٹھ جائیے، مگر اثنائے خطبہ یہ دوسری بار کھڑا ہو گیا اور پہلے جملے کا اعادہ کیا۔ حضرت موصوف نے پھر اسے بیٹھ جانے کی ہدایت فرمائی۔ بیٹھا اور پھر کھڑا ہو گیا، مگر پیکر حلم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اب بھی بے طیش تھے۔ آپ نے پھر نرمی اور محبت سے فرمایا:

آپ بیٹھ جائیے اور خطبہ سنئے۔ چونکہ یہ سب کچھ ایک سازش کے ماتحت تھا۔ اس واسطے دفعۃً اس کے بہت سے ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عین خطبہ ہی میں خلیفۂ رسول کو گھیر لیا اور اس قدر پتھر برسائے کہ نائب رسول زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ پیکر حلم عثمان رضی اللہ عنہ کے صبر وتحمل کو داد دیجئے کہ آپ نے مفسدین سے کوئی باز پرس نہ کی۔ جو کچھ گزر چکا تھا، اسے برداشت کر لیا اور سب کو معاف کر دیا۔

شورش پسندوں کے الزامات

مفسدین کی طرف سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر پانچ اہم الزامات لگائے گئے:

1. آپ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی بجائے اپنے ناتجربہ کار رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے ہیں۔
2. آپ اپنے عزیزوں پر بیت المال کا روپیہ بے جا صرف کرتے ہیں۔
3. آپ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے قرآن کے سوا باقی سب صحیفوں کو جلا دیا ہے۔
4. آپ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی تذلیل کی ہے اور نئی بدعتیں اختیار کر لی ہیں۔
5. مصری وفد کے ساتھ صریح بدعہدی کی ہے۔

یہ تمام الزامات قطعی طور پر سازشیوں کی شرارت کا نتیجہ تھے۔ یہ اس طرح

1. صحابہ رضی اللہ عنہم کی معزولی انتظامی اسباب سے متعلق تھی۔
2. عزیزوں کو آپ نے جو کچھ دیا، اپنے ذاتی مال سے دیا تھا۔
3. آپ نے جس صحیفہ کو باقی رکھا، وہ خود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تیار کرایا تھا اور اس سے زیادہ مکمل ومستند صحیفہ اور کون سا ہو سکتا تھا؟
4. جن بدعات کا حوالہ دیا گیا، ان کا تعلق اجتہادی مسائل سے ہے، اس لیے انہیں بدعت نہیں

کہا جا سکتا۔

5 مصری وفد کے حالات ابھی بیان کیے جائیں گے۔

گورنروں کی کانفرنس

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان شورشوں کا علم ہوا تو انہوں نے تمام صوبوں کے گورنروں کو جمع کر کے رائے طلب کی۔ گورنروں کی اس کانفرنس میں حضرت موصوف کو حسب ذیل مشورے دیئے گئے۔

عبداللہ بن عامر

کسی ملک پر فوج کشی کر کے لوگوں کو جہاد میں مصروف کر دینا چاہیے۔ شورش از خود رفتہ ہو جائے گی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

ہر صوبے کا گورنر اپنے صوبے کو خود سنبھالے۔

عبداللہ بن سعد

روپیہ دے کر شورش پسندوں کی حرص پوری کر دی جائے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

آپ عدل کریں، ورنہ مسند خالی کر دیں۔ لیکن جب کانفرنس منتشر ہو گئی، تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے معذرت کی اور کہا:

"مفسدین کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے وہ رائے پیش کی تھی، اب میں ان کی ہر سازش سے آپ کو مطلع کرتا رہوں گا۔"

گورنر کانفرنس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام معاملات پر خود غور کیا اور اصلاح احوال کے لیے تین اقدام کیے:

1 گورنر کوفہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا۔

2 تمام صوبوں میں اصلاح حال کے لیے تحقیقاتی وفد روانہ کیے۔

3 اعلان کیا گیا کہ حج کے موقع پر تمام لوگ اپنی شکایات پیش کریں، تدارک کیا جائے گا۔

مفسدین کی مدینہ پر یورش

مفسدین کو اصلاح منظور نہ تھی، اس لیے انہوں نے ٹھیک اس وقت جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اصلاح کی کوشش فرما رہے تھے، الگ الگ پارٹیاں بنالیں اور اپنے آپ کو حاجی ظاہر کر کے مدینے کی طرف کوچ کر دیا۔ جب یہ لوگ شہر کے قریب پہنچے، تو وہاں ایک حملہ آور فوج کی شکل اختیار کر کے طرح اقامت ڈال دی۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ کو اس مظاہرے کا علم ہوا، تو آپ نے طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور علی رضی اللہ عنہم کو باری باری ان کے پاس بھیجا اور ترغیب دی کہ تمام مظاہرین اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے جائیں، تمام جائز مطالبات جلد پورے کر دیے جائیں گے۔ تمام معاملات پر مسجد میں غور کیا گیا۔ طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نہایت سخت الفاظ میں عثمان رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے پیغام آیا کہ آپ عبداللہ بن ابی سرح کو جس پر صحابہ کے قتل کا الزام ہے، کیوں مصر کی امارت سے الگ نہیں کر دیتے؟ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس خیال کی تائید فرمائی، تو ارشاد فرمایا: ''یہ لوگ اپنا امیر خود تجویز کر لیں، میں اس کو عبداللہ بن ابی سرح کی جگہ مقرر کر دوں گا۔ لوگوں نے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا تو آپ نے ان کی تقرری اور عبداللہ بن ابی سرح کی علیحدگی کا فرمان لکھ دیا۔ یہ فرمان لے کر محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت سے مہاجرین وانصار کے ساتھ تشریف لے گئے اور معاملہ ختم ہو گیا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد مدینہ میں ناگہاں شور اٹھا کہ مفسدین کی جماعتیں پھر مدینہ میں آ گھسی ہیں اور یورش پیدا کر رہی ہیں۔ شور سن کر تمام مسلمان اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ دیکھا کہ مدینہ کے تمام گلی کوچوں میں انتقام انتقام کا شور برپا ہے۔ جب مفسدین سے ان کی حیرت انگیز واپسی کا سبب دریافت کیا گیا، تو انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر ایسا عجیب الزام لگایا کہ تمام لوگ دم بخود رہ گئے۔ انہوں نے کہا کہ محمد بن ابوبکر تیسری منزل میں تھے کہ وہاں سے خلافت کا ایک شتر سوار گزرا جو نہایت تیز رفتاری کے ساتھ مصر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ محمد بن ابوبکر کے رفیقوں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ شتر سوار نے کہا میں امیر المومنین کا غلام ہوں اور حاکم مصر کے پاس جا رہا ہوں۔ لوگوں نے محمد بن ابوبکر کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ ہیں حاکم مصر، شتر سوار نے کہا یہ نہیں ہیں اور اپنے راستے پر چل دیا۔ لوگوں نے دوبارہ اُسے پکڑ لیا اور جب اس کی تلاشی لی گئی، تو اس کے خشک مشکیزہ کے اندر سے ایک خط ملا، جس میں عثمان رضی اللہ عنہ کی مہر کے ساتھ یہ لکھا گیا تھا کہ محمد بن ابوبکر اور ان کے فلاں فلاں ساتھی جس وقت بھی

تمہارے پاس پہنچیں، انہیں قتل کر دیا جائے اور ہر شکایت کرنے والے کو تا حکم ثانی قید رکھا جائے۔

مفسدین نے کہا: عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ اب ہم ضرور ان سے انتقام لیں گے۔ علی، طلحہ، سعد رضی اللہ عنہم اور بہت سے صحابہ جمع ہوئے اور مفسدین نے ''عثمان رضی اللہ عنہ کا خط'' ان کے سامنے رکھ دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ بھی یہاں تشریف لے آئے اور گفتگو شروع ہوئی:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ	امیر المؤمنین! یہ آپ کا غلام ہے؟
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	ہاں۔
سیدنا علی رضی اللہ عنہ	امیر المومنین! یہ اونٹنی آپ کی ہے؟
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	ہاں میری ہے۔
سیدنا علی رضی اللہ عنہ	امیر المومنین! اس خط پر مہر آپ کی ہے۔
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	ہاں یہ میری مہر ہے۔
سیدنا علی رضی اللہ عنہ	کیا یہ خط آپ نے لکھا ہے؟
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر یہ حلف اُٹھاتا ہوں کہ یہ خط میں نے نہیں لکھا اور نہ میں نے کسی کو اس کے لکھنے کا حکم دیا اور نہ مجھے اس کے متعلق کچھ معلوم ہے۔
سیدنا علی رضی اللہ عنہ	تعجب ہے کہ غلام آپ کا، اونٹنی آپ کی، خط پر مہر آپ کی اور پھر بھی آپ کو خط کے متعلق کچھ معلوم نہیں؟
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	واللہ! نہ میں نے اس خط کو لکھا، نہ کسی سے لکھوایا، نہ میں نے غلام کو دیا کہ وہ اسے مصر لے جائے۔

اب خط دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ مروان کا رسم الخط ہے۔ وہ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان میں موجود تھا۔ لوگوں نے کہا: مروان کو ہمارے سپرد کر دیجئے، مگر آپ نے انکار فرمایا۔ اس پر ایک انتشار رونما ہوا۔ اکثر لوگوں کی رائے یہ تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کبھی جھوٹی قسم نہیں کھاتے، مگر بعض کہتے تھے کہ آپ مروان کو ہمارے حوالے کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم تحقیق کر لیں۔ اگر مروان کی غلطی ثابت ہوئی، تو ہم اسے سزا دیں گے، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ شبہ تھا کہ اگر مروان کو مفسدین کے سپرد کیا گیا، تو وہ اسے قتل کر دیں گے، اس لیے آپ نے مروان کی سپردگی سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد مفسدین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور مطالبہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت سے کنارہ کش ہو جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب تک مجھ میں سانس باقی ہے، میں اس خلعت خلافت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے، اپنے ہاتھ سے نہیں اتاروں گا، اور رسول ﷺ کی وصیت کے مطابق اپنی زندگی کے آخری لمحے تک صبر سے کام لوں گا۔''

محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ کوئی شخص کھانا یا پانی اندر نہیں لے جا سکتا تھا۔ بے احترامی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ بڑے بڑے اکابر صحابہ کی بھی شنوائی نہ تھی۔ ایک دفعہ اُم المؤمنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا خود کھانا اُٹھا کر لے گئیں، تو مفسدین نے حرم رسول کو بھی بے ادبی سے واپس کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، مگر باغیوں نے انہیں داخلہ کی اجازت نہ دی۔ علی رضی اللہ عنہ نے اپنا عمامہ اتار کر عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا تھا کہ آپ کو نزاکت حال کا علم ہو جائے اور خود ننگے سر واپس تشریف لے گئے۔

مدینہ کے تمام معاملات کی باگ علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں رہتی تھی، مگر اس ہنگامۂ کرب وفساد میں ان اکابر کی آواز بھی بے اثر ہوگئی۔ حرم سرائے عثمانی کے محصورین کی تکالیف جب حد سے زیادہ بڑھ گئیں، تو عثمان رضی اللہ عنہ خود بالا خانے پر تشریف لے گئے اور فرمایا: کیا تم میں علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں پھر آپ نے فرمایا: کیا اس مجمع میں سعد رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟ جواب دیا گیا، وہ بھی نہیں۔ اب آپ رُک گئے۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا کر یہ کہہ دے کہ وہ ہم پیاسوں کو پانی پلا دیں۔ ایک دردمند آدمی نے نائب رسول کے یہ دردمندانہ الفاظ سنے تو وہ بے تابانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ آپ نے پانی کے تین مشکیزے اس وقت بھجوائے، مگر یہ پانی بھی اتنی مشکل سے پہنچا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے چند غلام زخمی ہوگئے۔ اب مدینہ میں یہ خبر اڑی کہ اگر مروان سپرد نہ کیا گیا، تو عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ سن کر علی رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم دونوں امیر المؤمنین کے دروازے پر ننگی تلواریں لیے کھڑے رہو اور کسی شخص کو اندر داخل نہ ہونے دو۔ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اپنے لڑکوں کو آپ کی حفاظت کے لیے بھیجا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خطاب باغیوں سے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے متعدد بار باغیوں کو سمجھانے کی کوشش فرمائی۔ ایک دفعہ آپ محل سرائے کی چھت پر تشریف لے گئے اور باغیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے لوگو! وہ وقت یاد کرو، جب مسجد نبوی کی زمین تنگ تھی اور رسول ﷺ نے

فرمایا کون ہے جو اللہ کے لیے اس زمین کو خرید کر مسجد کے لیے وقف کرے اور جنت میں اس سے بہتر جگہ کا وارث ہو۔ وہ کون تھا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کی تھی؟''

آوازیں آئیں: آپ نے تعمیل کی تھی:

پھر فرمایا: ''کیا تم آج اسی مسجد سے مجھے نماز پڑھنے سے روکتے ہو؟'' پھر فرمایا: ''میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم وہ وقت یاد کرو جب مدینہ میں بئرِ رومہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا اور تمام مسلمان روزانہ قلت آب سے تکلیفیں اُٹھاتے تھے وہ کون تھا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس کنوئیں کو خریدا اور عام مسلمانوں پر وقف کر دیا؟''

آوازیں آئیں: ''آپ نے وقف فرمایا۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آج اسی کنوئیں کے پانی سے تم مجھے روک رہے ہو۔ پھر فرمایا: لشکر عسرت کا ساز و سامان کس نے آراستہ کیا تھا؟'' لوگوں نے کہا: ''آپ نے''

پھر فرمایا: میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی ہے جو اللہ کے لیے حق کی تصدیق کرے یہ بتائے کہ جب ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے، تو وہ ہلنے لگا، تو آپ نے اس پہاڑ کو ٹھکرا دیا اور فرمایا: اے اُحد! ٹھہر جا کہ اس وقت تیری پیٹھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں اور میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔

آوازیں آئیں: سچ فرمایا:

پھر فرمایا: ''اے لوگو! خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے حدیبیہ کے مقام پر اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تھا، تو کیا واقعہ پیش آیا تھا؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاک ہاتھ کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری طرف سے خود سے بیعت کی تھی؟''

مجمع میں سے آوازیں آئیں: ''آپ سچ فرماتے ہیں''۔

لیکن افسوس کہ فضل و شرف کے اس اعتراف کے باوجود باغیوں کے پشت دماغ سے بدنیتی کا خمار دور نہ ہوا۔ حج کی تقریب چند روز میں ختم ہوئی چاہتی تھی اور باغیوں کو خطرہ تھا کہ

مسلمان حج سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف پلٹیں گے اور اس کے ساتھ ہی ان کا سارا منصوبہ ختم ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے آخری طور پر اعلان کر دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جائے۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے یہ ندا اپنے کانوں سے سنی اور فرمایا:

''اے لوگو! آخر کس جرم میں تم میرے خون کے پیاسے ہو؟ شریعت اسلامی میں کسی شخص کے قتل کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

- اس نے بدکاری کی ہو تو اسے سنگسار کیا جاتا ہے،
- اس نے قتل عمد کیا ہو تو وہ قصاص میں مارا جاتا ہے۔
- وہ مرتد ہو گیا ہو تو اسے انکارِ اسلام پر قتل کر دیا جاتا ہے۔

تم اللہ کے لیے بتاؤ کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے؟ کیا تم مجھ پر بدکاری کا الزام لگا سکتے ہو؟ کیا میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے پھر گیا ہوں؟ سنو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ کیا اب اس کے بعد بھی تمہارے پاس میرے قتل کی وجہ جواز باقی ہے؟

عثمان رضی اللہ عنہ کے ان دردناک الفاظ کا کسی کے پاس بھی جواب موجود نہ تھا، لیکن پھر بھی مفسدین کے دلوں میں خوف خدا پیدا نہ ہوا۔ مفسدین کی جماعت اپنے ناپاک ارادوں پر اب بھی قائم تھی۔

نائبِ رسول کی بردباری

جب حالات بہت زیادہ نازک ہو گئے، تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المومنین! میں اس نازک وقت میں تین رائیں عرض کرتا ہوں: آپ کے طرف داروں اور جاں بازوں کی ایک طاقت ور جماعت یہاں موجود ہے۔ آپ جہاد کا حکم دیجیے اس وقت بے شمار مسلمان رفاقت حق کے لئے کمر بستہ ہیں اگر یہ رائے مقبول نہ ہو تو آپ صدر دروازہ کے سامنے کی دیوار توڑ کر محاصرہ سے نکلیں اور مکہ معظمہ تشریف لے جایئے۔ اگر یہ بھی پسند نہ ہو تو پھر شام چلے جایئے۔ وہاں کے لوگ وفادار ہیں، آپ کا ساتھ دیں گے۔ پیکر استقلال عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا۔ مجھے یہ منظور نہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہو کر اُمت کا خون بہاؤں۔ میں وہ خلیفہ نہ بنوں گا جو اُمت محمدیہ میں خوں ریزی کی ابتدا کرے۔ میں مکہ معظمہ میں بھی نہیں جا سکتا، کیونکہ میں نے اپنے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ قریش میں کوئی آدمی حرم محترم میں فتنہ و فساد کرائے

گا اور اس پر آدھی دنیا کا عذاب ہوگا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی اس وعید کا کبھی مورد نہیں بن سکتا۔ باقی رہا شام کا ارادہ تو میرے لئے کس طرح یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ میں اپنے دار ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کے پڑوس کی نعمت کو پس پشت ڈال دوں اور محمد مصطفےٰ ﷺ کی ہمسائیگی ترک کر دوں۔

حالات اور زیادہ نازک ہو گئے، تو آپ نے ابو ثور الفھمی سے دردمندانہ ارشاد فرمایا:

"مجھے اپنے پروردگار سے بہت بڑی امیدیں ہیں اور میری دس امانتیں اس کی بارگاہ میں محفوظ ہیں۔"

1. میں اسلام میں چوتھا مسلمان ہوں۔
2. رسول ﷺ نے مجھ سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کیا۔
3. ان کا انتقال ہو گیا تو دوسری صاحبزادی نکاح میں مرحمت فرمائی۔
4. میں نے کبھی نہیں گایا۔
5. میں نے کبھی بدی کی خواہش نہیں کی۔
6. جس وقت سے میں نے رسول ﷺ کی بیعت کی ہے۔ میں نے اپنا وہ دایاں ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔
7. میں جب سے مسلمان ہوا ہوں، ہر جمعہ کے دن میں نے ایک غلام آزاد کیا اور کبھی میرے پاس نہیں تو میں نے اس کی قضا ادا کی۔
8. میں نے زمانۂ جاہلیت یا اسلام میں کبھی زنا نہیں کیا۔
9. میں نے زمانہ جاہلیت یا اسلام میں کبھی چوری نہیں کی
10. میں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات پاک ہی میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔"

حالات پہلے سے بھی زیادہ نازک ہو گئے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی اے خلیفۂ رسول! اس وقت سات سو جانبازوں کی جمعیت محل سرا کے اندر موجود ہے۔ ایک بار اجازت دیجئے کہ باغیوں کی طاقت آزمالیں۔

ارشاد فرمایا: میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ ایک مسلمان بھی میرے لیے خون نہ بہائے۔ پھر بیس غلاموں کو جو گھر میں موجود تھے، طلب فرمایا، وہ حاضر ہو گئے، تو فرمایا: آج تم اللہ کے لیے آزاد ہو۔ اس وقت زید بن سعد رضی اللہ عنہ حاضر ہو گئے اور عرض کیا: اے امیر المومنین! رسول ﷺ کے انصار دروازے پر کھڑے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آج پھر اپنا وعدۂ نصرت پورا کر دیں۔ ارشاد

فرمایا: اگر لڑائی مقصود ہے، تو اجازت نہ دوں گا۔ آج میری سب سے بڑی حمایت یہ ہے کہ کوئی مسلمان میرے لیے تلوار نہ اٹھائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور نہایت انکسار کے ساتھ جہاد کی اجازت طلب کی۔ وہ جانتے تھے کہ نائب رسول کی زبان سے جہاد کا ایک لفظ لاکھوں مسلمانوں کو ان کے جھنڈے تلے جمع کر دے گا۔ ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! تمہیں یہ پسند آئے گا کہ تم تمام دنیا کو اس کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! کوئی مسلمان اس چیز کو بھی پسند کر سکتا ہے؟

ارشاد فرمایا: اگر تم نے ایک شخص کو بھی ناحق قتل کیا، تو گویا تم نے سب مخلوق قتل کر دی۔ یہ سورۃ مائدہ کی آیت کی طرف اشارہ تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو چپ ہو گئے اور واپس تشریف لے گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق پیش گوئی فرما چکے تھے۔ عام مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بالکل چپ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کی تکمیل کا انتظار فرما رہے تھے۔ ابھی جمعہ کا آفتاب طلوع نہ ہوا تھا کہ آپ نے روزہ کی نیت فرمائی۔ اسی صبح خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے ہم رکاب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ جلدی آؤ، ہم یہاں افطاری کے لیے تمہارے منتظر بیٹھے ہیں۔ آنکھ کھلی، تو اہلیہ محترمہ سے فرمایا: میری شہادت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ باغی ابھی مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ انہوں نے دردمندانہ کہا: امیر المؤمنین! ایسا نہیں ہو سکتا۔ ارشاد فرمایا: میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں۔ جب بستر سے اٹھے تو آپ نے وہ پاجامہ طلب فرمایا: جس کو آپ نے کبھی نہیں پہنا تھا اور اسے زیب تن فرمایا: پھر بیس غلاموں کو آزاد کر کے کلامِ پاک کو کھولا اور یادِ حق میں مصروف ہو گئے۔

یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حرم سرا کے اندرونی حالات تھے۔ ٹھیک اسی وقت محل سرا کے باہر محمد بن ابوبکر نے تیر چلانے شروع کر دیئے۔ ایک تیر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جو دروازہ پر کھڑے تھے، لگا اور وہ زخمی ہو گئے۔ دوسرا تیر محل کے اندر مروان تک پہنچا۔ ایک تیر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر کا سر زخمی ہو گیا۔ محمد بن ابوبکر کو خوف پیدا ہوا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا خون رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا۔ یہ سوچ کر انہوں نے اپنے دو ساتھیوں سے کہا کہ اگر بنی ہاشم پہنچ گئے تو وہ حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی دیکھ کر

عثمان رضی اللہ عنہ کو بھول جائیں گے اور ہماری تمام کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔ اس لیے چند آدمی اسی وقت محل سرا میں کود دیں۔ محمد بن ابو بکر کے ساتھیوں نے اس تجویز کے ساتھ اتفاق کیا اور اسی وقت چند باغی دیوار پھاند کر محل سرا میں داخل ہو گئے۔ اس وقت جتنے بھی مسلمان محل سرا میں موجود تھے۔ اتفاق سے وہ سب اوپر کی منزل میں بیٹھے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نیچے کے مکان میں تن تنہا مصروف تلاوت تھے۔ محمد بن ابو بکر نے قابل صد افسوس حرکت کا ثبوت دیا۔ آگے بڑھے اور ہاتھ بڑھا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک پکڑ لی اور اسے زور زور سے کھینچنے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: بھتیجے! [illegible]

[illegible]

کی سلاخ سے ایک دردناک ضرب لگائی اور رسول کا یہ بزرگ ترین نائب فرش زمین پر گر پڑا اور فرمایا: بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ۔ دوسری [illegible] سے خون کا فوارہ چل نکلا۔ عمر بن حمق کو یہ سفاہت ناکافی معلوم ہوئی۔ یہ [illegible]

[illegible]۔ اسی وقت ایک اور بے رحم نے تلوار چلائی اور سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ سے روکا، تو ان کی تین انگلیاں کٹ کر گر گئیں۔ اسی کشمکش کے دوران، حضرت امیر المؤمنین بے دم ہو رہے تھے کہ مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

جلاّدی اور بہیمیت کا یہ دردناک واقعہ صرف حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی غم نصیب آنکھوں کے سامنے ہوا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذبح ہوتے دیکھا، تو آپ کوٹھے پر چڑھ کر چیخنے لگیں: امیر المؤمنین شہید ہو گئے۔ امیر المؤمنین کے دوست دوڑتے ہوئے نیچے آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرشِ خاک پر کٹے پڑے تھے۔ جب یہ مصیبت انگیز خبر مدینہ میں پھیلی تو لوگوں کے ہوش اڑ گئے اور مدہوشانہ دوڑتے ہوئے محل سرا کی طرف آئے، مگر اب یہاں کیا رکھا تھا۔ حضرت [illegible]، مگر اب یہ سب کچھ بعد از وقت تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ محل سرا کے اندر خون میں ڈوبے پڑے تھے، مگر محاصرہ اب بھی جاری تھا۔ [illegible]۔ تیسرے دن چند خوش قسمت مسلمانوں نے اس خونی لباس میت کو کندھا دیا۔ صرف سترہ مسلمانوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اور کتاب اللہ کے سب سے بڑے خادم اور سنت رسول کے سب سے بڑے عاشق کو جنت البقیع کے

گوشہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سلا دیا گیا۔

چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت تلاوت فرما رہے تھے اور قرآن مجید سامنے کھلا تھا، اس لیے وہ خون ناحق نے جس آیت پاک کو رنگیں فرمایا، وہ یہ تھی

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (2/البقرہ:137)

''خدا کی ذات تم کو کافی ہے، وہ علیم ہے اور حکیم ہے۔''

[illegible]

حضرت علی [illegible] ''میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہوں۔'' [illegible]

[illegible] جب ہے کہ اس بداعمالی پر کوہِ احد پھٹے اور تم پر گرے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب تک زندہ تھے، خدا کی تلوار نیام میں تھی، آج اس شہادت کے بعد یہ تلوار نیام سے نکلے گی اور قیامت تک کھلی رہے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ نہ کیا جاتا، تو لوگوں پر آسمان سے پتھر برستے۔

سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا رخنہ قیامت تک بند نہیں ہوگا اور خلافت اسلامی مدینہ سے اس طرح نکلے گی کہ وہ قیامت تک کبھی مدینہ میں واپس نہیں آئے گی۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے شہادت کی خبر سنی، ان کی زبان سے بے اختیارانہ چند دردناک اشعار نکلے جن کا ترجمہ یہ ہے:

> ''آپ نے اپنے دونوں ہاتھ باندھ لیے اور اپنا دروازہ بند کر لیا اور اپنے دل سے کہا: اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا، دشمنوں کے ساتھ لڑائی مت کرو۔ آج جو شخص میرے لیے جنگ نہ کرے، وہ خدا کی امان میں رہے۔ اے دیکھنے والے! عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے آپس کا میل محبت کس طرح ختم ہوا اور خدا نے اس کی جگہ بغض وعداوت مسلط کر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بھلائی مسلمانوں سے اس طرح دور نکلے گی جس طرح تیز آندھیاں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔''

اسلام کی تقدیر پلٹ گئی

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر آناً فاناً تمام ملک میں پھیل گئی۔ اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ بعد کے تمام واقعات صرف اسی ایک جملے کی تفصیل ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود کرتہ اور حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر شام کو جو بنی امیہ کے ممتاز ترین فرد تھے، بھیج دی گئیں۔ جب یہ کرتہ مجمع میں کھولا گیا، تو حشر برپا ہو گیا اور انتقام انتقام کی صداؤں سے فضا گونج اٹھی۔ بنی امیہ کے تمام اراکین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے۔ یہاں یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امیوں اور عباسیوں کی خلافت کے آخر تک جس قدر بھی واقعات پیش آئے، ان میں ہر جگہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا اثر موجود ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے تاریخ اسلام کا رخ پلٹ گیا۔ جو کچھ جنگ جمل میں ہوا، وہ بھی یہی تھا اور جو کچھ کربلا میں پیش آیا، وہ بھی یہی تھا اور جو کچھ اس کے بعد امویوں اور عباسیوں نے کیا، وہ اسی ایک ظلم یا گمراہی کے لازمی اور منطقی نتائج تھے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کی خاندانی رقابتوں کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی اور اسلام کے قدموں نے جو بجلی کی رفتار سے کائنات عالم کی اصلاح کے لیے اٹھ رہے تھے، ایک ایسی ٹھوکر کھائی کہ وہ بگڑے ہوئے حالات پھر درست نہ ہو سکے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ

کاشانہ نبوت کے پروردہ فصاحت وبلاغت کے امام، ذہانت وفطانت، زہد وتقویٰ اور جرأت وشجاعت، جواں مردی و بہادری کے پیکر، دیانت و امانت کے کمال درجے پر فائز، علم ومعرفت کے شہسوار، بے مثل خطیب۔ دنیا میں جنت کی بشارت پانے والے

بدر، احد، خندق اور خیبر سمیت بہت سے معرکوں میں انہوں نے اپنی تلوار سے مسلمانوں کیلئے فتوحات کے دروازے کھول دیئے......

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”علی تمہارا درجہ میرے پاس ایسے ہے جیسے ہارون کا درجہ موسیٰ کے پاس تھا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ علی رضی اللہ عنہ، اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ اور رسول بھی ان سے محبت رکھتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ تباہ ہو جاتا

نام	علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ
لقب	ابوتراب، حیدر کرار
قبول اسلام کے وقت عمر	8 سال
خلافت سنبھالتے وقت عمر	56 سال
وفات کے وقت عمر	60 سال
مدت خلافت	4 سال
تاریخ وفات	21 رمضان 40 ہجری 660ء

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات

حیاء زیبائش ہے، تقویٰ عزت وشرف ہے اور صبر بہترین سواری

جنت کا طالب لمبی تان کر نہیں سوسکتا۔

اضافہ طارق اکیڈمی

شہادت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

جنگ جمل کے بعد

جنگ جمل کے بعد اسلامی خلافت کی نزاع دو شخصوں میں محصور ہو گئی تھی۔ امام علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، ان کے درمیان تیسری شخصیت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی تھی جو اپنے سیاسی تدبر کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

جنگ صفین نے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ خوارج کا پیدا کر دیا تھا۔ یہ اگرچہ تمام تر سیاسی اغراض و مقاصد رکھتا تھا، لیکن دوسرے سیاسی فرقوں کی طرح اس کے عقائد بھی دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا سیاسی مذہب یہ قرار دیا تھا اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہئے۔ دراصل تاریخ اسلام کے خوارج موجودہ تمدن کے انارکسٹ تھے، لہٰذا وہ کوفہ اور دمشق حکومتوں کے مخالف تھے۔ مکہ میں بیٹھ کر خارجیوں نے سازش کی، تین آدمیوں نے بیڑا اُٹھایا کہ پوری تاریخ اسلام بدل دیں گے اور انہوں نے بدل دی۔ عمرو بن بکر تمیمی نے کہا:

میں حاکم مصر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قتل کر دوں گا، کیونکہ وہ فتنہ کی متحرک روح ہے۔"

برک بن عبداللہ نے کہا

"میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دوں گا، کیونکہ اس نے مصر میں قیصریت قائم کی ہے۔"

ایک لمحہ کے لیے خاموشی چھا گئی۔ علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کے نام سے دل تھراتے تھے۔ بالآخر عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے مہر سکوت توڑی، میں علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دوں گا۔ ان ہولناک مہموں کے لیے 17 رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی۔ پہلے دو شخص اپنی مہم میں ناکام رہے، لیکن عبدالرحمٰن بن ملجم کامیاب ہو گیا۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مکہ سے چل کر عبدالرحمٰن کوفہ پہنچا۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔

عبدالرحمٰن ان کے ہاں آتا جاتا تھا۔ ایک دن قبیلہ تیم الرباب کے بعض خارجیوں سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ انہی میں ایک خوبصورت عورت قطام بنت شجنہ بن عدی بن عامر بھی تھی۔ عبدالرحمٰن اس پر عاشق ہوگیا۔ سنگدل نازنین نے کہا: ''میرے وصل کی شرط یہ ہے کہ جو مہر میں طلب کروں، وہ ادا کرو'' ابن ملجم راضی ہوگیا۔ قطام نے اپنا مہر یہ بتلایا: ''تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز اور علی رضی اللہ عنہ کا قتل۔''

عبدالرحمٰن نے کہا: ''منظور، مگر علی رضی اللہ عنہ کو کیوں کر قتل کروں؟''

خونخوار معشوقہ نے جواب دیا ''چھپ کر'' اگر تو کامیاب ہوکر لوٹ آئے گا، تو مخلوق کو شر سے نجات دے گا اور اہل وعیال کے ساتھ مسرت کی زندگی بسر کرے گا۔ اگر مارا جائے گا، تو جنت اور لازوال نعمت حاصل کرے گا۔'' عبدالرحمٰن نے مطمئن ہوکر یہ شعر پڑھے:

ثلاثة الاف وعبد وقينة وضرب علي بالحسام المصمم

فلامهر اعلىٰ من وان غلا ولافتك الادون فتك ابن ملجم

روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہوگیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم کی طرف جب دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں۔ ابن سعد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ''خدا کی قسم مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے کہ میری موت قتل سے ہوگی۔''

عبدالرحمٰن بن ملجم دو مرتبہ بیعت کے لیے آیا، مگر آپ نے لوٹا دیا۔ تیسری مرتبہ آیا تو فرمایا

''سب سے زیادہ بد بخت آدمی کو کون سی چیز روک رہی ہے۔ واللہ! یہ چیز (اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کرکے) ضرور رنگ جانے والی ہے۔''

کبھی کبھی اپنے ساتھیوں سے خفا ہوتے، تو فرماتے: ''تمہارے سب سے زیادہ بد بخت آدمی کو آنے اور میرے قتل کرنے سے کون چیز روک رہی ہے؟ خدایا! میں ان سے اکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں۔ مجھے ان سے راحت دے اور انہیں مجھ سے راحت دے۔''

ایک دن خطبہ میں فرمایا: ''قسم اس پروردگار کی جس نے بیج اُگایا اور جان پیدا کی یہ ضرور اس سے رنگ جانے والی ہے (اپنی داڑھی اور سر کی طرف اشارہ کیا) بد بخت کیوں انتظار کررہا ہے؟''

لوگوں نے عرض کیا: ''امیر المؤمنین! ہمیں اس کا نام بتاؤ، ہم ابھی اس کا فیصلہ کرڈالیں گے۔''

فرمایا: ''تم ایسے آدمی کو قتل کروگے، جس نے ابھی مجھے قتل نہیں کیا ہے۔''

عرض کی گئی: ''تو ہم پر کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔''

فرمایا: ''نہیں، میں تمہیں اسی حال میں چھوڑ جاؤں گا، جس حال میں تمہیں رسول ﷺ چھوڑ گئے تھے۔''

لوگوں نے عرض کیا: ''اس صورت آپ خدا کو کیا جواب دیں گے؟''

فرمایا: ''کہوں گا خدایا میں ان میں تجھے چھوڑ آیا ہوں، تو چاہے تو ان کی اصلاح کر دے اور چاہے تو انہیں بگاڑ دے۔''

حادثہ سے پہلے

آپ کی کنیز اُم جعفر کی روایت ہے کہ واقعہ قتل سے چند دن پہلے میں آپ کے ہاتھ دھلا رہی تھی کہ آپ نے سر اٹھایا پھر داڑھی ہاتھ میں لی اور فرمایا:

''حیف! تجھ پر، تو خون سے رنگی جائے گی۔''

آپ کے بعض اصحاب کو بھی اس سازش کا پتہ چل گیا تھا، چنانچہ خود بنی مراد میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا:

''امیر المؤمنین! ہوشیار رہیے، یہاں کچھ لوگ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے، چنانچہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے، ایک شخص نے آ کر عرض کی: ہوشیار رہیے، کیونکہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپ کے قتل کی فکر میں ہیں۔''

یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ کون شخص ارادہ کر رہا ہے؟ اشعث نے ایک دن ابن ملجم کو تلوار لگاتے دیکھا اور اس نے کہا: مجھے اپنی تلوار دکھاؤ، اُس نے وہ تلوار دکھائی تو وہ بالکل نئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ''تلوار لگانے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ یہ زمانہ تو جنگ کا نہیں۔'' عبدالرحمٰن نے کہا: ''میں گاؤں کے اونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ اشعث سمجھ گئے اور خچر پر سوار ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حاضر ہوئے اور کہا: ''ابن ملجم کی جرأت و شجاعت سے آپ واقف ہیں۔'' آپ نے جواب دیا: ''لیکن اس نے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے۔''

ابن ملجم کا ارادہ اس قدر مشہور ہو گیا تھا کہ خود آپ بھی اُسے دیکھ کر عمرو بن معدی کرب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے

اريد حياته، ويريد قتلي　　عذيرك من خليلك من مراد

ابن ملجم برابر برأت کیا کرتا تھا، لیکن ایک دن جھنجھلا کر کہنے لگا: ''جو بات ہونے والی ہے، ہو کر رہے گی۔'' اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ ''آپ اسے پہچان گئے ہیں، پھر اسے قتل کیوں نہیں کر ڈالتے'' فرمایا ''اپنے قاتل کو کیسے قتل کروں گا؟''

صبح شہادت

اقدام قتل جمعہ کے دن نمازِ فجر کے وقت ہوا۔ رات بھر ابن ملجم اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اُس نے کوفہ میں شبیب بن بجرہ نامی ایک اور خارجی کو اپنا شریک کار بنالیا تھا۔ دونوں تلوار لے کر چلے اور اس دروازے کے مقابل بیٹھ گئے، جس سے امیر المومنین نکلا کرتے تھے۔ اس رات امیر المومنین کو نیند نہیں آئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سحر کے وقت حاضر ہوا تو فرمایا:

> ''فرزند رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ ذرا دیر ہوئی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی، خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی اُمت سے میں نے بڑی تکلیف پائی۔ فرمایا: ''دعا کر کہ خدا تجھے اِن سے چھٹکارا دے۔'' اس پر میں نے دعا کی خدایا! مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما اور انہیں مجھ سے بدتر ساتھی دے''۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اُسی وقت ابن البناح مؤذن بھی حاضر ہوا اور پکارا: لوگو! ''نماز'' میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا، آپ اٹھے، ابن البناح آگے تھا، میں پیچھے تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر آپ نے پکارا: لوگو! ''نماز'' روز آپ کا یہی دستور تھا کہ لوگوں کو نماز کے لیے مسجد میں آنے کے لیے جگاتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ مؤذن کے پکارنے پر اُٹھے نہیں، لیٹے رہے مؤذن دوبارہ آیا، مگر آپ سے پھر بھی اٹھا نہ گیا۔ سہ بارہ اس کے آواز دینے پر آپ بمشکل یہ شعر پڑھتے ہوئے مسجد کو چلے۔

اشدد حيازيمك للموت　　فان الموت اتيك

ولا تجزع من الموت　　اذا حل بواديك

موت کے لیے کمر کس لے، کیونکہ موت تجھ سے ضرور ملاقات کرنے والی ہے موت سے نہ ڈر، اگر وہ تیرے ہاں نازل ہو جائے

آپ جونہی آگے بڑھے، دو تلواریں چمکتی نظر آئیں اور ایک بلند ہوئی:

''حکومت خدا کی ہے نہ علی (رضی اللہ عنہ) تیری! شبیب کی تلوار تو طاق پر پڑی، لیکن ابن ملجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر لگی اور دماغ میں اُتر گئی۔''

زخم کھاتے ہی آپ چلائے: فزت برب الکعبة (رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا)

نیز پکارے قاتل جانے نہ پائے، لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ شبیب تو نکل بھاگا۔ عبدالرحمٰن نے تلوار گھمانا شروع کر دی اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ہاتھ سے نکل جائے، لیکن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے، بھاری کپڑا اس پر ڈال دیا اور زمین پر دے مارا۔

قاتل اور مقتول میں گفتگو

امیرالمؤمنین گھر پہنچائے گئے۔ آپ نے قاتل کو طلب کیا۔ جب وہ سامنے آیا تو فرمایا:

''او دشمن خدا! کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کیے تھے؟''

اُس نے کہا: ''ہاں!''

فرمایا: پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟'' کہنے لگا: ''میں نے اسے (تلوار کو) چالیس دن تیز کیا تھا اور خدا سے دعا کی تھی کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق قتل کرائے۔'' فرمایا: میں سمجھتا ہوں، تو اسی سے قتل کیا جائے گا اور خیال کرتا ہوں، تو ہی خدا کی بدترین مخلوق ہے۔''

آپ کی صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے پکار کر کہا:

''او دشمن خدا! تو نے امیرالمؤمنین کو قتل کر ڈالا۔''

کہنے لگا: ''میں نے امیرالمؤمنین کو قتل نہیں کیا، البتہ تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔''

انہوں نے خفا ہو کر کہا: ''واللہ! میں اُمید کرتی ہوں امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ! کا بال بیکا نہ ہو گا۔''

کہنے لگا: ''پھر آنسو کیوں بہاتی ہو؟''

پھر بولا: ''بخدا میں نے مہینے بھر اسے (تلوار کو) زہر پلایا ہے، اگر اب بھی یہ بے وفائی کرے، تو خدا اسے غارت کر دے۔''

امیرالمؤمنین نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا:

''یہ قیدی ہے، اس کی خاطر تواضع کرو، اچھا کھانا دو، نرم بچھونا دو۔ اگر زندہ رہوں گا، تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویدار میں ہوں گا، قصاص لوں گا یا

معاف کر دوں گا۔ اگر مر جاؤں، تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کر دینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا۔"

"اے بنی عبدالمطلب ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی خونریزی شروع کر دو اور کہو کہ امیر المؤمنین قتل ہو گئے، خبردار میرے قاتل کے سوا دوسرا قتل نہ کیا جائے۔ اے حسن رضی اللہ عنہ اگر میں اس کی ضرب سے مر جاؤں، تو ایسی ہی ضرب سے اسے بھی مارنا۔ اس کے ناک کان کاٹ کر لاش خراب نہ کرنا، کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ خبردار ناک کان نہ کاٹو اگر چہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو۔"

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا:

"اگر تم قصاص لینے ہی پر اصرار کرو، تو چاہیے کہ اسی طرح ایک ضرب سے مارو جس طرح اسے نے مجھے مارا، لیکن اگر معاف کر دو، تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔"

"دیکھو زیادتی نہ کرنا کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"

وصیت

پھر آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ نے حاضر ہو کر کہا:

"خدانخواستہ اگر ہم نے آپ کو کھو دیا، تو کیا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں؟"

آپ نے جواب دیا:

"میں تمہیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں، نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو۔"

پھر اپنے صاحبزادوں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

میں تم دونوں کو تقویٰ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا۔ اگر چہ وہ تمہارا پیچھا کرے۔ جو چیز تم سے دور ہو جائے اس پر نہ کڑھنا۔ ہمیشہ حق کرنا، یتیم پر رحم کرنا، بے کس کی مدد کرنا۔ آخرت کے لیے عمل کرنا۔ ظالم کے دشمن بننا، مظلوم کے حامی بننا۔ کتاب اللہ پر چلنا۔ خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا۔"

"پھر آپ نے تیسرے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی، تو نے حفظ کر لی؟"

انہوں نے عرض کی: ''جی ہاں''

فرمایا: ''میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں۔ نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا، ان کی اطاعت کرنا۔ بغیر ان کی رائے کے کوئی کام نہ کرنا۔''

پھر حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''میں تمہیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے۔ تمہارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس سے محبت کرتا ہے۔''

پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''فرزند میں تمہیں وصیت کرتا ہوں خوف خدا کی اپنے اوقات میں نماز قائم کرنے کی، میعاد پر زکوٰۃ ادا کرنے کی، ٹھیک وضو کرنے کی، کیونکہ نماز بغیر طہارت ممکن نہیں اور مانع زکوٰۃ کی نماز قبول نہیں۔ نیز وصیت کرتا ہوں خطائیں معاف کرنے کی دین میں عقل و دانش کی، ہر معاملہ میں تحقیق کی، قرآن سے مزاولت کی، پڑوسی سے حسن سلوک کی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی، فواحش سے اجتناب کی۔''

پھر اپنی تمام اولاد کو مخاطب کر کے کہا:

''خدا سے ڈرتے رہو، اس کی اطاعت کرو، جو تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، اس کا غم نہ کرو۔ اس کی عبادت پر کمر بستہ رہو۔ چست و چالاک بنو، سست نہ بنو، ذلت قبول نہ کرو، خدایا ہم سب کو ہدایت پر جمع کر دے، ہمیں اور انہیں دنیا سے بے رغبت کر دے۔ ہمارے اور ان کے لیے آخرت اول سے بہتر کر دے۔''

وفات کے وقت یہ وصیت لکھوائی:

''یہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے، وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میری نماز میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا سب کچھ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لیے ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ پھر اے حسن رضی اللہ عنہ! میں تجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف کرنا اور جب مرنا اسلام ہی پر مرنا۔ سب

مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ کیونکہ میں نے ابوالقاسم (رسول اللہ ﷺ) کو فرماتے سنا ہے کہ آپس میں ملاپ قائم رکھنا، روزے، نماز سے بھی افضل ہے۔ اپنے رشتہ داروں کا خیال کرو، ان سے بھلائی کرو، خدا تم پر حساب آسان کر دے گا اور ہاں یتیم! یتیم یتیموں کا خیال رکھو۔ ان کے منہ میں خاک مت ڈالو۔ وہ تمہاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں اور دیکھو تمہارے "پڑوسی"! اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو، کیونکہ یہ تمہارے نبی کی وصیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید انہیں ورثہ میں شریک کر دیں گے اور دیکھو قرآن! قرآن! ایسا نہ ہو قرآن پر عمل کرنے سے کوئی تم پر بازی لے جائے اور نماز! نماز! کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے اور تمہارے رب کا گھر! اپنے رب کے گھر سے غافل نہ ہونا اور جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ! اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہو، زکوٰۃ، زکوٰۃ! زکوٰۃ پروردگار کا غصہ ٹھنڈا کر دیتی ہے اور ہاں تمہارے نبی کے ذمی! تمہارے نبی کے ذمی (یعنی وہ غیر مسلم جو تمہارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو ان پر تمہارے سامنے ظلم کیا جائے اور تمہارے نبی کے صحابی! تمہارے نبی کے صحابی! یاد رکھو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابیوں کے حق میں وصیت کی ہے اور فقراء و مساکین! فقراء و مساکین! انہیں اپنی روزی میں شریک کرو اور تمہارے غلام! تمہارے غلام! غلاموں کا خیال رکھنا۔ خدا کے باب میں اگر کسی کی بھی پرواہ نہ کرو گے، تو خدا تمہارے دشمنوں سے تمہیں محفوظ کر دے گا۔ خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو، میٹھی بات کرو۔ ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ چھوڑنا، ورنہ تمہارے اشرار تم پر مسلط کر دیئے جائیں گے، پھر تم دعائیں کرو گے مگر قبول نہ ہوں گی۔ باہم ملے جلے رہو، بے تکلف اور سادگی پسند رہو۔ خبردار! ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور نہ آپس میں پھوٹ ڈالنا، نیکی اور تقویٰ پر باہم مددگار رہو، مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو، خدا سے ڈرو، کیونکہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اے اہل بیت! خدا

تمہیں محفوظ رکھے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر قائم رکھے۔ میں تمہیں خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں، تمہارے لیے سلامتی اور برکت چاہتا ہوں۔" [1]

اس کے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا اور ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

دفن کے بعد

دفن کے بعد دوسرے دن سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے مسجد میں خطبہ دیا:

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص رخصت ہو گیا ہے جس سے نہ اگلے علم میں پیش قدمی کر گئے اور نہ پچھلے اس کی برابری کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے جھنڈا دیتے تھے اور اس کے ہاتھ پر فتح ہو جاتی تھی۔ اُس نے سونا چاندی کچھ نہیں چھوڑا۔ صرف اپنے روزینے میں سے کاٹ کر سات سو درہم گھر کے لیے جمع کیے تھے۔" [2]

زید بن حسین علیہ السلام سے مروی ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی شہادت کی خبر کلثوم بن عمر کے ذریعہ مدینہ پہنچی۔ سنتے ہی تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو روتی نہ ہو بالکل وہی منظر در پیش تھا جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دن دیکھا گیا تھا۔ جب ذرا سکون ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا:

"چلو اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم زاد کی موت سن کر ان کا کیا حال ہے؟"

حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"سب لوگ ہجوم کر کے اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور اجازت چاہی۔ انہوں نے دیکھا کہ حادثہ کی خبر یہاں پہلے پہنچ چکی ہے اور اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا غم سے نڈھال اور آنسوؤں سے تربتر بیٹھی ہیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو خاموشی سے لوٹ آئے۔"

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دوسرے دن مشہور ہوا کہ اُم المؤمنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر جا رہی ہیں۔ مسجد میں جتنے بھی مہاجرین و انصار تھے، استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرنے لگے، مگر اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نہ کسی کے سلام کا جواب دیتی تھیں اور نہ بولتی تھیں۔ شدتِ گریہ سے زبان بند تھی، دل تنگ تھا، چادر تک نہ سنبھلتی تھی، بار بار پیروں میں الجھتی اور آپ لڑکھڑا

[1] طبری، ج:6ص:86، مسند حسن

[2] ایک درہم تقریباً چار آنے کا ہوتا تھا

جاتیں، بدقت تمام پہنچیں، لوگ پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ حجرہ میں داخل ہوئیں تو دروازہ پکڑ کر کھڑی ہو گئیں اور ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا:

''اے نبی ہدایت! تجھ پر سلام! ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھ پر سلام! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام! میں آپ کے محبوب ترین عزیز کی موت کی خبر آپ کو سنانے آئی ہوں۔ میں آپ کے عزیز ترین کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں۔ بخدا آپ کا چنا ہوا حبیب، منتخب کیا ہوا عزیز قتل ہو گیا، جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی، واللہ وہ قتل ہو گیا۔ جو ایمان لایا اور ایمان کے عہد میں پورا اُترا، میں رونے والی غم زدہ ہوں، میں اس پر آنسو بہانے اور دل جلانے والی ہوں۔ اگر قبر کھل جاتی تو تمہاری زبان بھی یہی کہتی کہ تیرا عزیز ترین اور افضل ترین وجود قتل ہو گیا۔''

ایک روایت میں ہے کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی شہادت سنی، تو ٹھنڈی سانس لی اور کہا:

''اب عرب جو چاہیں کریں، کوئی انہیں روکنے والا باقی نہیں رہا۔''

آپ کے مشہور صحابی ابوالاسود الدؤلی نے مرثیہ کہا تھا جس کا پہلا شعر کتب ادب و محاضرات میں عام طور پر نقل کیا جاتا ہے۔

الا ابلغ معاویة بن حرب　　　فلا قرت عیون الشامتینا

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

صبر و استقامت کے کوہِ گراں بطل حریت، شجاعت، بہادری اور عزم و ہمت کے پیکر۔
جلال و جمال کا حسین امتزاج، خوش اخلاق اور عبادت گزار، نوجوانانِ جنت کے سردار
ان کی بہادری عزم و ہمت اور اپنے موقف پر استقامت کا اعجاز ہے کہ ان کی شہادت کا سانحہ انسانی تاریخ کا سب سے المناک واقعہ بن چکا ہے۔
انہوں نے اپنے خون سے خلافت اور بادشاہت کے درمیان حدِ فاصل کھینچ دی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے میں حسین سے ہوں۔''
رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے۔ ''اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔''
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اس وقت آسمان والوں کے ہاں یہ سب زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حسین رات کو دیر تک نماز پڑھنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے تھے، وہ دین اور فضل کے اعتبار سے خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔

نام	حسین بن علی رضی اللہ عنہ
کنیت	ابو عبداللہ
والدہ کا نام	فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تاریخ پیدائش	14 جمادی الاولیٰ 4ھ، 4 جنوری 626ء
تاریخ شہادت	10 محرم 61 ہجری

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ارشادات گرامی

اے اہلِ بیت صبر کرو۔ اس کے بعد تمہیں کوئی ذلت اور تکلیف آنیوالی نہیں۔
تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ کہ میں جس وقت دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں تو میرے ماتم میں نہ گریبان چاک کرنا نہ اپنے رخساروں پر طمانچے مارنا اور نہ اپنے منہ کو زخمی کرنا۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ

ضروری تمہید

دنیا میں انسانی عظمت وشہرت کے ساتھ حقیقت کا توازن بہت کم قائم رہ سکتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو شخصیتیں عظمت وتقدس اور قبول وشہرت کی بلندیوں پر پہنچ جاتی ہیں۔ دنیا عموماً تاریخ سے زیادہ افسانہ اور تخیل کے اندر انہیں ڈھونڈنا چاہتی ہے، اسی لیے فلسفۂ تاریخ کے بانی اوّل ابن خلدون کو یہ قاعدہ بنانا پڑا کہ جو واقعہ دنیا میں جس قدر زیادہ مقبول ومشہور ہوگا، اتنی ہی افسانہ سرائی اسے اپنے حصارِ تخیل میں لے لے گی۔ ایک مغربی شاعر گوئٹے نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے، وہ کہتا ہے انسانی عظمت کی حقیقت کی انتہا یہ ہے کہ افسانہ بن جائے۔

تاریخ اسلام میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ (علیہ وعلی آباءہ واجدادہ الصلوٰۃ والسلام) کی شخصیت جو اہمیت رکھتی ہے محتاج بیان نہیں۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد کے بعد جس واقعہ نے اسلام کی دینی، سیاسی اور اجتماعی تاریخ پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے، وہ ان کی شہادت کا عظیم واقعہ ہے۔ بغیر کسی مبالغہ کے کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے کسی المناک حادثہ پر نسل انسانی کے اس قدر آنسو نہ بہے ہوں گے جس قدر اس حادثہ پر بہے ہیں۔ 13 سو برس کے اندر 13 سو محرم گزر چکے اور ہر محرم اس حادثہ کی یاد تازہ کرتا رہا۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے جسم خونچکاں سے دشتِ کربلا میں جس قدر خون بہا تھا، اس کے ایک ایک قطرہ کے بدلے دنیا اشک ہائے ماتم والم کا ایک ایک سیلاب بہا چکی ہے۔

بایں ہمہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تاریخ کا اتنا مشہور اور عظیم تاثیر رکھنے والا واقعہ بھی تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اگر آج ایک جویائے حقیقت چاہئے کہ صرف تاریخ اور تاریخ کی محتاط شہادتوں کے اندر اس حادثہ کا مطالعہ کرے تو اکثر صورتوں میں اسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس وقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے، وہ زیادہ تر روضہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے، جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ گریہ وبکا کی حالت پیدا کر

دینا ہے، حتیٰ کہ تاریخی حیثیت سے بیان کردہ بعض چیزیں جو تاریخ کی شکل میں مرتب ہوئی ہیں، وہ بھی دراصل تاریخ نہیں ہے۔ روضہ خوانی اور مجلس طرازی کے مواد ہی نے ایک دوسری صورت اختیار کرلی ہے۔ آج اگر جستجو کی جائے کہ دنیا کی کسی زبان میں بھی کوئی کتاب ایسی موجود ہے جو حادثۂ کربلا کی تاریخ ہو تو واقعہ یہ ہے کہ ایک بھی نہیں۔

اہل بیت شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تختِ خلافت خالی ہوا۔ یزید بن معاویہ پہلے سے ولی عہد مقرر ہو چکا تھا، اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور حسین ابن علی علیہ السلام سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تھا، اس لیے وہاں اہل بیت کرام کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی۔ انہوں نے سیدنا امام حسین علیہ السلام کو لکھا کہ آپ تشریف لائیے ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ آپ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لیے بھیج دیا اور خود بھی سفر کی تیاری کرنے لگے۔

دوستوں کا مشورہ

آپ کے دوستوں اور عزیزوں کو معلوم ہوا تو سخت مضطرب ہوئے، وہ اہل کوفہ کی بے وفائی اور زمانہ سازی سے واقف تھے۔ بنی امیہ کی سخت گیر طاقتوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے اس سفر کی مخالفت کی۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

> ''لوگ یہ سن کر بڑے پریشان ہیں کہ آپ عراق جا رہے ہیں، مجھے اصلی حقیقت سے آگاہ کیجیے۔''

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

> ''میں نے عزم کرلیا ہے۔ میں آج یا کل میں روانہ ہوتا ہوں۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ بے اختیار پکار اُٹھے:

> ''خدا آپ کی حفاظت کرے، کیا آپ ایسے لوگوں میں جا رہے ہیں، جنہوں نے اپنے دشمن کو نکال دیا ہے اور ملک پر قبضہ کرلیا ہے؟ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں، تو بڑے شوق سے تشریف لے جائیے۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے۔ حاکم بدستور ان کی گردن دبائے بیٹھا ہے، اس کے گماشتے برابر اپنی کارستانیاں کر رہے ہیں، تو ان کا آپ کو بلانا درحقیقت جنگ کی طرف بلانا ہے۔ میں ڈرتا ہوں، وہ

آپ کو دھوکا نہ دیں اور جب دشمن کو طاقت ور دیکھیں، تو خود آپ سے لڑنے کے لیے آمادہ نہ ہو جائیں۔'' مگر آپ اس طرح کی باتوں سے متاثر نہ ہوئے اور اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جوش

جب روانگی کی گھڑی بالکل قریب آ گئی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ پھر دوڑے آئے۔ اے ابن عم! انہوں نے کہا:

''میں خاموش رہنا چاہتا تھا، مگر خاموش رہا نہیں جاتا۔ میں اس راہ میں آپ کی ہلاکت اور بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراق والے دغا باز ہیں، ان کے قریب بھی نہ جایئے، یہیں قیام کیجئے، کیونکہ یہاں حجاز میں آپ سے بڑا کوئی نہیں۔ اگر عراقی آپ کو بلاتے ہیں تو ان سے کہیے پہلے مخالفین کو اپنے علاقے سے نکال دو، پھر مجھے بلاؤ۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جایئے، وہاں قلعے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں، ملک کشادہ ہے۔ آبادی عموماً آپ کے والد کی خیر خواہ ہے۔ وہاں آپ ان لوگوں کی دسترس سے باہر ہوں گے۔ خطوں اور قاصدوں کے ذریعے اپنی دعوت پھیلایئے گا۔ مجھے یقین ہے اس طرح آپ کامیاب ہو جائیں گے۔''

لیکن سیدنا امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا:

''اے ابن عم! میں جانتا ہوں تم میرے خیر خواہ ہو، لیکن اب میں عزم کر چکا۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ نہیں مانتے تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جایئے۔ مجھے اندیشہ ہے آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح نہ قتل کر دیئے جائیں جس طرح سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کر دیئے گئے تھے۔''

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جوش میں آ کر کہا:

''اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ کے بال پکڑ لینے اور لوگوں کے جمع ہونے سے آپ رک جائیں گے، تو واللہ! میں ابھی آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لوں۔''

مگر آپ پھر بھی اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا خط

اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپ کو سمجھایا، آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے خط لکھا:

''میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادے سے باز آجایئے، کیونکہ اس راہ میں آپ کے لیے ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کے لیے بربادی ہے۔ اگر آپ قتل ہوگئے، تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ اس وقت ایک آپ ہی ہدایت کا نشان اور اربابِ ایمان کی اُمیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے، میں آتا ہوں۔''

والی کا خط

یہی نہیں، بلکہ انہوں نے یزید کے مقرر کیے ہوئے والی عمرو بن سعید بن العاص سے جا کر کہا: ''حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کو خط لکھو اور ہر طرح مطمئن کر دو'' عمرو نے کہا آپ خود خط لکھ لایئے میں مہر کر دوں گا: چنانچہ عبداللہ نے والی کی جانب سے یہ خط لکھا:

''میں دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کو اس راستہ سے دور کر دے، جس میں ہلاکت ہے اور اس راستہ کی طرف راہنمائی کر دے جس میں سلامتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے آپ عراق جا رہے ہیں۔''

میں آپ کے لیے شقاق واختلاف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ میں عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، ان کے ساتھ واپس چلے آیئے۔ میرے پاس آپ کے لیے امن سلامتی، نیکی، احسان اور حسنِ جواز ہے۔ خدا اس پر شاہد ہے وہی اس کا نگہبان اور کفیل ہے۔''

والسلام!

مگر آپ بدستور اپنے ارادے پر جمے رہے۔ [1]

فرزدق سے ملاقات

مکہ سے آپ عراق کو روانہ ہوگئے۔ ''صفاح'' نام مقام پر مشہور محبّ اہل بیت شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے پوچھا: ''تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟''

[1] ابن جریر ص 219

فرزدق نے جواب دیا:

''ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں، مگر تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔'' فرمایا:

''سچ کہتا ہے، مگر اب ہمارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے، وہ جو چاہتا ہے ہے، وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر لحہ کسی نہ کسی حکم فرمائی میں ہے۔ اگر اس کی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اس کی ستائش کریں گے۔ اگر امید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا ہے۔'' [1]

مسلم بن عقیل کے عزیزوں کی ضد

زرود نام مقام میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ آپ کے نائب مسلم بن عقیل کو کوفہ میں یزید کے گورنر عبیداللہ بن زیاد نے علانیہ قتل کر دیا اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آپ نے سنا تو بار بار اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا شروع کیا۔ بعض ساتھیوں نے کہا:

''اب بھی وقت ہے ہم آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے معاملہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں، للہ یہیں سے لوٹ چلئے۔ کوفہ میں آپ کا کوئی ایک بھی طرفدار اور مددگار نہیں۔ سب آپ کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔''

آپ خاموش کھڑے ہو گئے اور واپسی پر غور کرنے لگے، لیکن مسلم بن عقیل کے عزیز کھڑے ہو گئے: ''واللہ! ہم ہرگز نہ ٹلیں گے۔'' انہوں نے کہا: ہم اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مر جائیں گے۔'' اس پر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کے دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر کہا:

''ان کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں۔'' [2]

رستہ میں بھیڑ چھنٹ گئی

بدؤوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ ہو گئی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کوفہ میں آرام کریں گے۔ آپ ان کی حقیقت سے واقف تھے، سب کو جمع کر کے خطبہ دیا:

''اے لوگو! ہمیں نہایت وحشت ناک خبریں پہنچی ہیں۔ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن بقطر قتل کر ڈالے گئے۔ ہمارے طرفداروں نے بیوفائی کی۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار نہیں۔ جو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑ دے، ہم ہرگز خفا نہ ہوں گے۔''

بھیڑ نے یہ سنا تو دائیں بائیں کٹنا شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے گرد وہی لوگ

[1] ـــــلین جیبص 218 [2] ابن جریر ص 225

رہ گئے جو مکہ سے ساتھ چلے تھے۔

حر بن یزید کی آمد

قادسیہ سے جوں ہی آگے بڑھے عبیداللہ بن زیاد والی عراق کے عامل حصین بن نمیر تمیمی کی طرف سے حر بن یزید ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا اور ساتھ ہولیا۔ اسے حکم ملا تھا کہ سیدنا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ برابر لگا رہے اور اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑے، جب تک انہیں عبیداللہ بن زیاد کے سامنے نہ لے جائے۔ اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت آ گیا، آپ تہبند باندھے، چادر اوڑھے، نعل پہنے تشریف لے آئے اور حمد و نعت کے بعد اپنے ساتھیوں اور حر کے سپاہیوں کے سامنے خطبہ دیا:

راہ میں ایک اور خطبہ

''اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمہارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے، قاصد آئے۔ مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ آیئے تاکہ خدا ہمیں آپ کے ہاتھ پر جمع کر دے۔ اگر اب بھی تمہاری یہ حالت ہے، تو میں آ گیا ہوں۔ اگر مجھ سے عہد و پیمان کرنے کے لیے آئے ہو، جن پر میں مطمئن ہو جاؤں تو میں تمہارے شہر چلنے کو تیار ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ تم میری آمد سے ناخوش ہو تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا، جہاں سے آیا ہوں۔''

دشمنوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی

کسی نے کوئی جواب نہ دیا، دیر تک خاموش رہنے کے بعد لوگ مؤذن سے کہنے لگے:

''اقامت پکارو۔''

سیدنا امام حسین علیہ السلام نے حر بن یزید سے کہا: ''کیا تم علیحدہ نماز پڑھو گے؟''

اُس نے کہا: ''نہیں آپ امامت کریں، ہم آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔''

وہیں عصر کی بھی نماز پڑھی۔ دوست دشمن سب مقتدی تھے۔ نماز کے بعد آپ نے پھر خطبہ دیا:

دوسرا خطبہ

''اے لوگو! اگر تم تقویٰ پر ہو اور حق دار کا حق پہچانو تو یہ خدا کی خوشنودی کا موجب

ہوگا۔ ہم اہل بیت ان مدعیوں سے زیادہ حکومت کے حقدار ہیں۔ ان لوگوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ تم پر ظلم وجور سے حکومت کرتے ہیں، لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو، ہمارا فرض نہ پہچانو اور تمہاری رائے اب اس کے خلاف ہوگئی ہو، جو تم نے مجھے اپنے خطوں میں لکھی اور قاصدوں کی زبانی پہنچائی تھی تو میں بخوشی واپس چلے جانے کو تیار ہوں۔''

اہل کوفہ کے خطوط

اس پر حر نے کہا: ''آپ کن خطوط کا ذکر کرتے ہیں، ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں۔''

آپ نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائے، جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔ عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اس پر حر نے کہا:

''لیکن ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے یہ خط لکھے تھے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو عبیداللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑ دیں۔''

سیدنا امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: ''لیکن یہ موت سے پہلے ناممکن ہے۔''

پھر آپ نے روانگی کا حکم دیا، لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپ نے خفا ہوکر حر سے کہا:

''تیری ماں تجھے روئے، تو کیا چاہتا ہے؟''

حر نے جواب دیا:

''واللہ! اگر آپ کے سوا کوئی اور عرب میری ماں کا نام زبان پر لاتا، تو میں اسے بتا دیتا، لیکن آپ کی ماں کا ذکر میری زبان پر برائی کے ساتھ نہیں آ سکتا۔''

آپ نے فرمایا: ''پھر تم کیا چاہتے ہو؟''

اُس نے کہا: ''میں آپ کو عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔''

آپ نے فرمایا: ''تو واللہ! میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا۔''

اس نے کہا: ''میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔''

جب گفتگو زیادہ بڑھی، تو حر نے کہا:

''مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا ہے، مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں

کرتے، تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ کو جاتا ہو، نہ مدینہ میں، میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں۔ اگر آپ پسند کریں تو خود بھی یزید یا عبیداللہ کو لکھئے۔ شاید خدا میرے لیے مخلصی کی کوئی صورت پیدا کر دے اور آپ کے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں۔'' یہ بات آپ نے منظور کر لی اور روانہ ہو گئے۔

ایک اور خطبہ

راستہ میں کئی اور مقامات پر بھی آپ نے دوستوں اور دشمنوں کو مخاطب کیا۔ مقام بیضہ پر خطبہ دیا:

''اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے، خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے، عہد الٰہی شکست کرتا ہے، سنت نبوی کی مخالفت کرتا ہے۔ خدا کے بندوں پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور یہ دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرے نہ اپنے قول سے، سو خدا ایسے آدمی کو اچھا ٹھکانا نہیں بخشے گا۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے اور رحمان سے سرکش ہو گئے ہیں۔ فساد ظاہر ہے، حدود الٰہی معطل ہیں۔ مال غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے۔ خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے، میں ان کی سرکشی کو حق وعدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ تمہارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام بیعت لے کر پہنچے، تم عہد کر چکے ہو کہ مجھ سے بے وفائی نہ کرو گے، اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو، تو یہ تمہارے لیے راہ ہدایت ہے، کیونکہ میں حسین ابن علی علیہ السلام ابن فاطمہ علیہا السلام رسول اللہ ﷺ کا نواسہ ہوں۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ ہے۔ میرے بال بچے تمہارے بال بچوں کے ساتھ ہیں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ اور مجھ سے گردن نہ موڑو، لیکن اگر تم یہ نہ کرو، بلکہ اپنا عہد توڑ دو اور اپنی گردن سے بیعت کا حلقہ نکال پھینکو، تو یہ بھی تم سے بعید نہیں، تم میرے باپ، بھائی اور عم زاد مسلم سے ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے، لیکن یاد رکھو تم نے اپنا ہی حصہ کھو دیا۔ اپنی ہی قسمت بگاڑ دی۔ جو بدعہدی کرے گا خود اپنے خلاف بدعہدی کرے گا۔ عجب نہیں خدا تعالیٰ عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

ایک اور تقریر

ایک دوسری جگہ یوں تقریر فرمائی:

''معاملہ کی جو صورت ہوگئی ہے، تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا، منہ پھیر لیا، نیکی خالی ہوگئی۔ ذرا سی تلچھٹ باقی ہے۔ حقیری سی زندگی رہ گئی ہے، ہولناکی نے احاطہ کرلیا ہے۔ افسوس دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ باطل پر علانیہ عمل کیا جارہا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں رضائے الٰہی کی خواہش کرے، لیکن میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کیساتھ زندہ رہنا خود پر ظلم ہے۔''

زہیر کا جواب

یہ خطبہ سن کر زہیر بن القین البجلی نے کھڑے ہوکر لوگوں سے کہا: ''تم بولو گے یا میں بولوں؟'' سب نے کہا: ''تم بولو۔'' زہیر نے تقریر کی:

''اے فرزند رسول! خدا آپ کے ساتھ ہو۔ ہم نے آپ کی تقریر سنی، واللہ اگر دنیا ہمارے لیے ہمیشہ باقی رہنے والی ہو۔ اور ہم سدا اس میں رہنے والے ہوں۔ جب بھی آپ کی حمایت ونصرت کے لیے اس کی جدائی گوارا کرلیں گے اور ہمیشہ کی زندگی پر آپ کے ساتھ مر جانے کو ترجیح دیں گے۔''

حر کی دھمکی کا جواب

حر بن یزید آپ کے ساتھ برابر چلا آرہا تھا اور بار بار کہتا تھا:

''اے حسین! اپنے معاملہ میں خدا کو یاد کیجئے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جنگ کریں گے تو ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے۔''

ایک مرتبہ آپ نے غضب ناک ہوکر فرمایا:

''تو مجھے موت سے ڈراتا ہے، کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کرو گے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں تجھے؟ لیکن میں وہی کہوں گا جو رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دھمکی سن کر کہا:

سامضی وما بالموت عار علیٰ الفتیٰ ۔۔ اذا مانوی حقاً وجاھد مسلما

میں روانہ ہوتا ہوں، مرد کے لیے موت ذلت نہیں، جبکہ اس کی نیت نیک ہو، اور وہ اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو

وآسی الرّجال الصّالحین بنفسہٖ وفارق مثبوراً غش ویر غما

اور جب کہ وہ اپنی جان دے کر صالحین کا مددگار ہو اور دغاباز ظالم ہلاک ہونے والے سے جدا ہو رہا ہو۔ [1]

چار کوفیوں کی آمد

''عذیب الہجانات'' نام مقام پر کوفہ سے چار سوار آتے دکھائی دیئے، ان کے آگے آگے طرماح بن عدی یہ شعر پڑھ رہا تھا

یانا قتی لا تذعری من زجری وشمری قبل طلوع الفجر

اے میری اونٹنی! میری ڈانٹ سے ڈر نہیں، طلوع فجر سے پہلے ہمت سے چل!

بخیر رکبان وخیر سفر حتی تجلی بکریم النحر

سب سے اچھے مسافروں کو لے چل۔ سب سے اچھے سفر پر چل، یہاں تک کہ شریف النسب آدمی تک پہنچ جا

الماجد الحر رحیب الصدر اتیٰ بہ اللہ لخیر امر

وہ عزت والا ہے، آزاد ہے، فراخ سینہ ہے، اللہ اسے سب سے اچھے کام کے لیے لایا ہے

ثمت ابقاہ بقاء الدھر

خدا اُسے ہمیشہ سلامت رکھے

سیدنا امام حسین علیہ السلام نے یہ شعر سنے، تو فرمایا:

''واللہ! مجھے یہی امید ہے کہ خدا کو ہمارے ساتھ بھلائی منظور ہے، چاہے قتل ہوں یا فتح یاب ہوں۔''

حر بن یزید نے ان کو دیکھا، تو حضرت سے کہا:

''یہ لوگ کوفہ کے ہیں، آپ کے ساتھی نہیں ہیں، میں انہیں روکوں گا اور واپس کردوں گا۔''

---

[1] ابن جریر، ص: 229

آپ نے فرمایا:

”تم وعدہ کر چکے ہو کہ ابن زیاد کا خط آنے سے پہلے مجھ سے کوئی تعرض نہیں کرو گے۔ یہ اگرچہ میرے ساتھ نہیں آئے، لیکن میرے ہی ساتھی ہیں۔ اگر ان سے چھیڑ چھاڑ کرو گے، تو میں تم سے لڑوں گا۔“ یہ سن کر حر خاموش ہو گیا۔

کوفہ والوں کی حالت

آنے والوں سے آپ نے پوچھا”: لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟“ انہوں نے جواب دیا شہر کے سرداروں کو رشوتیں دے کر ملایا گیا ہے۔ عوام کے دل آپ کے ساتھ ہیں، مگر ان کی تلواریں کل آپ کے خلاف نیام سے باہر نکلیں گی۔

آپ کے قاصد کا قتل

اس سے پہلے آپ قیس بن مسہر کو بطور قاصد کوفہ بھیج چکے تھے۔ عبیداللہ بن زیاد نے انہیں قتل کر ڈالا تھا، مگر آپ کو اطلاع نہ دی تھی۔ ان لوگوں سے قاصد کا حال پوچھا انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور فرمایا:

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

بعض ان میں سے مر چکے ہیں اور بعض موت کا انتظار کر رہے ہیں، مگر حق پر ثابت قدم ہیں، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔ (33/احزاب:23)

خدایا ہمارے لیے اور ان کے لیے جنت کی راہ کھول دے۔ اپنی رحمت اور ثواب کے دارالقرار میں ہمیں اور انہیں جمع کر۔“

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی نے کہا:

”واللہ! میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہوں، مگر آپ کے ساتھ کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اگر صرف یہی لوگ ٹوٹ پڑیں جو آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، تو خاتمہ ہو جائے۔ میں نے اتنا بڑا انبوہ آدمیوں کا کوفہ کے عقب میں دیکھا ہے، جتنا کسی ایک مقام پر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ سب اسی لیے جمع کیے گئے ہیں کہ ایک حسین علیہ السلام سے لڑیں۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو

ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ پہنچ جائیں، جہاں دشمنوں سے بالکل امن ہو تو میرے ساتھ چلے چلیے میں اپنے پہاڑ ''آجا'' میں آپ کو اتار دوں گا۔ واللہ! وہاں دس دن بھی نہ گزریں گے کہ قبیلہ طے کے 20 ہزار بہادر تلواریں لیے آپ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ واللہ! جب تک ان کے دم میں دم رہے گا، آپ کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے گا۔''

آپ نے جواب دیا: ''خدا تمہیں جزائے خیر دے، لیکن ہمارے اور ان کے مابین ایک عہد ہو چکا ہے۔ ہم اس کی موجودگی میں ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہمارا ان کا معاملہ کس حد پر پہنچ کر ختم ہوگا۔'' [1]

خواب

اب آپ کو یقین ہو چلا تھا کہ موت کی طرف جا رہے ہیں ''قصر بنی مقاتل'' نامی مقام سے کوچ کے وقت آپ اونگھ گئے تھے۔ پھر چونک کر بآواز بلند کہنے لگے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ تین مرتبہ یہی فرمایا: آپ کے صاحبزادے علی اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اِنَّا لِلّٰهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کیوں؟

فرمایا: ''جانِ پدر! ابھی اونگھ گیا تھا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار کہتا چلا آرہا ہے: ''لوگ چلتے ہیں اور موت ان کے ساتھ چلتی ہے۔'' میں سمجھ گیا کہ یہ ہماری ہی موت کی خبر ہے جو ہمیں سنائی جا رہی ہے۔''

علی اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''خدا آپ کو روز بد نہ دکھائے! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟''

فرمایا: ''بے شک ہم حق پر ہیں۔'' اس پر وہ بے اختیار پکار اٹھے: اگر ہم حق پر ہیں، تو پھر موت کی کوئی پرواہ نہیں۔'' یہی وہ آپ کے صاحبزادے ہیں جو میدانِ کربلا میں شہید ہوئے اور علی الاکبر رضی اللہ عنہ کے لقب سے مشہور ہیں۔

ابن زیاد کا خط

صبح آپ پھر سوار ہوئے، اپنے ساتھیوں کو پھیلانا شروع کیا، مگر حر بن یزید انہیں پھیلنے سے روکتا ہے۔ باہم دیر تک کشمکش جاری رہی۔ آخر کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ یہ

[1] ابن جریر، ص: 230

ہتھیار بند تھا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے اُس نے منہ پھیر لیا، مگر حر کو سلام کیا اور ابن زیاد کا خط پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

''حسین علیہ السلام کو کہیں ٹکنے نہ دو، کھلے میدان کے سوا کہیں اُترنے نہ دو قلعہ بند یا شاداب مقام میں پڑاؤ نہ ڈال سکے۔ میرا یہی قاصد تمہارے ساتھ رہے گا کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو۔''

حُر نے خط کے مضمون سے حضرت امام رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا اور کہا:

''اب میں مجبور ہوں۔ آپ کو بے آب وگیاہ کھلے میدان ہی میں اُترنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔''

زہیر بن القین نے حضرت سے عرض کیا:

''ان لوگوں سے لڑنا اس فوجِ گراں سے لڑنے کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے، جو بعد میں آئے گی۔''

مگر آپ نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا: ''میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہیں کرنا چاہتا۔''

زہیر نے کہا:

''تو پھر سامنے گاؤں میں چل کر اتریئے جو فرات کے کنارے ہے اور قلعہ بند ہو جانا چاہئے۔''

آپ نے پوچھا: ''اس کا نام کیا ہے؟''

زہیر نے کہا: ''عقر'' (عقر کے معنی ہیں کاٹنا یا بے ثمر و بے نتیجہ ہونا)

یہ سن کر آپ منغض ہو گئے اور کہا: ''عقر سے خدا کی پناہ!''

کربلا میں ورود

آخر آپ ایک اُجاڑ سرزمین پر پہنچ کر اُتر پڑے۔ پوچھا: اس سرزمین کا کیا نام ہے؟ معلوم ہوا ''کربلا'' آپ نے فرمایا: ''یہ کرب اور بلا ہے۔'' یہ مقام دریا سے دور تھا۔ دریا اور اس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔ یہ واقعہ 2 محرم الحرام 61ھ کا ہے۔

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے روز عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی چار ہزار فوج لے کر پہنچا۔ عبیداللہ بن

زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمر کی خواہش تھی کسی طرح اس امتحان سے بچ نکلے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ اس نے آتے ہی سیدنا امام حسین علیہ السلام کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا آپ کیوں تشریف لائے؟ آپ نے ہی جواب دیا جو حر بن یزید کو دے چکے تھے۔

"تمہارے شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا ہے۔ اب اگر وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کے لیے تیار ہوں۔"

ابن زیاد کی سختی

عمر بن سعد کو اس جواب سے خوشی ہوئی اور امید بندھی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی: چنانچہ عبیداللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا:

الآن اذ علقت مخالبنا به   یرجو النجاة ولات حین مناص

اب کہ ہمارے پنجہ میں آ پھنسا ہے، چاہتا ہے کہ نجات پائے، مگر اب واپسی اور نکل بھاگنے کا وقت نہیں رہا

"سیدنا حسین علیہ السلام سے کہو پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید بن معاویہ کی بیعت کریں پھر ہم دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ سیدنا حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں، جس طرح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پانی سے محروم رہے تھے۔"

پانی پر تصادم

عمر بن سعد نے مجبوراً پانچ سو سپاہی گھاٹ کی حفاظت کے لیے بھیج دیئے اور آپ اور آپ کے ساتھیوں پر پانی بند ہو گیا۔ اس پر آپ نے اپنے بھائی عباس بن علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ 30 سوار اور 20 پیادے لے کر جائیں اور پانی بھر لائیں۔ یہ پہنچے تو محافظ دستے کے افسر عمرو بن الحجاج نے روکا۔ باہم مقابلہ ہوا، لیکن آپ 20 مشکیں بھر لائے۔

عمر بن سعد سے ملاقات

شام کو سیدنا حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد کو کہلا بھیجا آج رات مجھ سے ملاقات کرو: چنانچہ دونوں بیس بیس سوار لے کر اپنے اپنے پڑاؤ سے نکلے اور درمیانی مقام میں ملے۔ تخلیہ میں بہت رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں۔ راوی کہتا ہے گفتگو بالکل خفیہ تھی، لیکن لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا

کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے عمر سے کہا تھا ہم تم دونوں اپنے اپنے لشکر یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس روانہ ہو جائیں۔ عمر نے کہا: ''اگر میں ایسا کروں گا تو میرا گھر کھدوا ڈالا جائے گا۔''

آپ نے فرمایا: ''میں بنا دوں گا۔''

عمر نے کہا: ''میری تمام جائداد ضبط کر لی جائے گی۔''

آپ نے فرمایا: ''میں اپنی حجاز کی جائداد سے اس کا معاوضہ دے دوں گا۔'' مگر عمر نے منظور نہیں کیا۔''

تین شرطیں

اس کے بعد تین چار مرتبہ باہم ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ نے تین صورتیں پیش کیں:

1. مجھے وہیں لوٹ جانے دو، جہاں سے میں آیا ہوں۔
2. مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو۔
3. مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو، وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہے، وہ مجھ پر بھی گزرے گی۔

ابن زیاد کا خط

بار بار کی گفتگو کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد کو پھر لکھا:

> ''خدا نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا۔ پھوٹ دور کر دی، اتفاق پیدا کر دیا۔ اُمت کا معاملہ درست کر دیا۔ حسین علیہ السلام مجھ سے وعدہ کر گئے ہیں کہ وہ ان تین صورتوں میں سے کسی ایک کے لیے تیار ہیں۔ اس میں تمہارے لیے بھلائی بھی ہے اور امت کے لیے بھی بھلائی ہے۔''

شمر کی مخالفت

ابن زیاد نے خط پڑھا تو متاثر ہو گیا۔ عمر بن سعد کی تعریف کی اور کہا: میں نے منظور کیا، مگر شمر ذی الجوشن نے مخالفت کی اور کہا:

> ''اب حسین علیہ السلام قبضہ میں آ چکے ہیں۔ اگر بغیر آپ کی اطاعت کے نکل گئے، تو عجب نہیں عزت و قوت حاصل کر لیں اور آپ کمزور و عاجز قرار پائیں بہتر یہی ہے کہ اب انہیں قابو سے نکلنے نہ دیا جائے، جب تک وہ آپ کی اطاعت نہ کر لیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسین علیہ السلام اور عمر رات بھر باہم سرگوشیاں کیا کرتے ہیں۔''

ابن زیاد کا جواب

ابن زیاد نے یہ رائے پسند کر لی اور شمر کو خط دے کر بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا

''کہ اگر حسین علیہ السلام معہ اپنے ساتھیوں کے اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں، تو لڑائی نہ لڑی جائے اور انہیں صحیح سالم میرے پاس بھیج دیا جائے، لیکن اگر یہ بات وہ منظور نہ کریں، تو پھر جنگ کے سوا چارہ نہیں شمر سے کہہ دیا ہے کہ عمر بن سعد نے میرے حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا تو تم سب اس کی اطاعت کرنا، ورنہ چاہیے کہ اسے ہٹا کر خود فوج کی سیادت اپنے ہاتھ میں لے لینا اور حسین علیہ السلام کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا۔''

ابن زیاد کے اس خط میں عمر کو سخت تہدید بھی کی گئی تھی۔

''میں نے تمہیں اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ حسین علیہ السلام کو بچاؤ اور میرے پاس سفارشیں بھیجو۔ دیکھو، میرا حکم صاف ہے اگر وہ اپنے آپ کو حوالے کر دیں، تو صحیح وسالم میرے پاس بھیج دو، لیکن اگر انکار کریں تو پھر بلا تامل حملہ کرو، خون بہاؤ، لاش بگاڑو، کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ قتل کے بعد ان کی لاش گھوڑوں سے روند ڈالنا، کیونکہ وہ باغی ہیں اور جماعت سے نکل گئے ہیں۔ میں نے عہد کر لیا ہے کہ اگر قتل کروں گا، تو یہ ضرور کروں گا۔''

''اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی، تو انعام واکرام کے مستحق ہو گے اور اگر نافرمانی کی، تو قتل کیے جاؤ گے۔''

شمر بن ذی الجوشن اور حسین علیہ السلام

شمر بن ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی پھوپھی ام البنین بنت حرام امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں اور انہیں کے بطن سے ان کے چار صاحبزادے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان پیدا ہوئے تھے جو اس معرکہ میں سیدنا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ اس طرح شمر، ان چاروں کا اور ان کے واسطے سے سیدنا حسین علیہ السلام کا پھوپھیرا بھائی تھا۔ اس نے ابن زیاد سے درخواست کی تھی کہ اس کے ان عزیزوں کو امان دے دی جائے اور اُس نے منظور کر لیا تھا: چنانچہ اس نے میدان میں چاروں صاحبزادوں کو بلا کر کہا: ''تم میرے دادھیالی ہو، تمہارے لیے

میں نے امن اور سلامتی کا سامان کر لیا ہے۔"

لیکن انہوں نے جواب دیا: "افسوس تم پر، تم ہمیں تو امان دیتے ہو، لیکن فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے امان نہیں ہے؟"

شمر نے ابن سعد کو حاکم کوفہ کا خط پہنچا دیا اور وہ طوعاً کرہاً بخوف عزل آمادۂ تعمیل ہو گیا۔

فوج کی ابتدائی حرکت

نمازِ عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی۔ جب قریب پہنچا تو عباس رضی اللہ عنہ بیس سواروں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ عمر نے ان سے کہا کہ "ابن زیاد کا جواب آ گیا ہے اور اس کا مضمون یہ ہے:"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ واپس لوٹے کہ سیدنا حسین علیہ السلام کو اس کی اطلاع دیں۔ اس اثناء میں فریقین کے بعض پُر جوش آدمیوں میں جور دو کد ہوئی، اُسے راویوں نے محفوظ رکھا ہے۔

دونوں فوجوں میں زبانی ردّ و کد

سیدنا امام رضی اللہ عنہ کے طرفداروں میں سے حبیب ابن مظاہر نے کہا: "خدا کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اس کے حضور اس حالت میں پہنچیں گے کہ اس کے نبی کی اولاد اور اس شہر (کوفہ) کے تہجد گزار عابدوں کے خون سے ان کے ہاتھ رنگین ہوں گے۔"

ابن سعد کی فوج میں سے عزرہ بن قیس نے جواب دیا:

> "شاباش اپنی بڑائی بیان کرو، پیٹ بھر کر اپنی پاکی کا اعلان کرو" زہیر بن القین نے کہا: اے عزرہ! خدا ہی نے ان نفسوں کو پاک کر دیا ہے اور ہدایت کی راہ دکھائی ہے، خدا سے ڈر اور اِن پاک نفسوں کے قتل میں گمراہی کا مددگار نہ بن۔"

عزرہ نے جواب دیا:

> "اے زہیر! تم تو اس خاندان کے حامی نہ تھے، کیا آج سے پہلے تک تم عثمانی (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامی) نہ تھے؟"

زہیر نے کہا:

> "ہاں یہ سچ ہے میں نے حسین علیہ السلام کو کبھی کوئی خط نہیں لکھا نہ کبھی کوئی قاصد بھیجا، لیکن سفر نے ہم دونوں کو یک جا کر دیا ہے۔ میں نے انہیں دیکھا تو

رسول ﷺ یاد آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ سے ان کی محبت یاد آ گئی۔ میں نے دیکھا یہ کتنے قوی دشمن کے سامنے جا رہے ہیں۔ خدا نے میرے دل میں ان کی محبت ڈال دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا: ''میں ان کی مدد کروں گا اور اللہ اور اُس کے رسول کے اس حق کی حفاظت کروں جسے تم نے ضائع کر دیا ہے۔''

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو جب ابن زیاد کے خط کا مضمون معلوم ہوا، تو انہوں نے کہا: اگر ممکن ہو تو آج انہیں ٹال دو تا کہ آج رات وہ اپنے رب کی نماز پڑھ لیں۔ اس سے دعا کریں، مغفرت مانگیں، کیونکہ وہ جانتا ہے، میں اس کی عبادت کا دلدادہ اور اس کی کتاب پڑھنے والا ہوں۔''

چنانچہ یہی جواب دیا گیا اور فوج واپس آ گئی۔

آپ کی حسرت اور احباب کی وفاداری

فوج کی واپسی کے بعد رات کو آپ نے اپنے ساتھی جمع کیے اور خطبہ دیا:

''خدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں۔ رنج و راحت ہر حالت میں اس کا شکر گزار ہوں۔ الٰہی! تیرا شکر کہ تو نے ہمارے گھر کو نبوت سے مشرف کیا، قرآن کا فہم عطا کیا۔ دین میں سمجھ بخشی اور ہمیں دیکھنے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔ اما بعد! لوگو! میں نہیں جانتا آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر لوگ بھی موجود ہیں یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد اور غمگسار اہل بیت کسی کے ساتھ ہیں۔ اے لوگو! تم سب کو اللہ میری طرف سے جزائے خیر دے میں سمجھتا ہوں کل میرا ان کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی سے نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہے میرے اہل بیت کا ہاتھ پکڑو اور تاریکی میں ادھر اُدھر چلے جاؤ۔ میں خوشی سے تمہیں رخصت کرتا ہوں، میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں، میری جان لیکر تم سے غافل ہو جائیں گے۔''

یہ سن کر آپ کے اہل بیت بہت رنجیدہ اور بے چین ہوئے۔ حضرت عباس نے کہا:

''یہ کیوں؟ کیا اس لیے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں۔ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے۔''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم رضی اللہ عنہ بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا: اے اولادِ عقیل! مسلم کا

قتل کافی ہے تم چلے جاؤ، میں نے تمہیں اجازت دی۔"

وہ کہنے لگے: "لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہیں گے کہ ہم اپنے شیخ سردار عم زادوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے۔ ہم نے ان کے ساتھ نہ کوئی تیر پھینکا نہ نیزہ چلایا نہ تلوار چلائی۔ نہیں واللہ! یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ ہم تو آپ پر جان، مال اور اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے جو آپ پر گزر رہے گی، وہی ہم پر گزرے گی، آپ کے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے۔"

آپ کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ مسلم بن عوسجہ اسدی نے کہا: کیا ہم آپ کو چھوڑ دیں گے؟ حالانکہ اب تک آپ کا حق ادا نہیں کر سکے ہیں۔ واللہ! نہیں ہرگز نہیں! میں اپنا نیزہ دشمنوں کے سینے میں توڑ دوں گا۔ جب تک قبضہ ہاتھ میں رہے گا، تلوار چلاتا رہوں گا، نہتا ہو جاؤں گا، تو پتھر پھینکوں گا، یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے۔"

سعد بن عبداللہ الحنفی نے کہا: واللہ! ہم آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے، جب تک خدا جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ! اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا یا جلایا جاؤں گا، آگ میں بھونا جاؤں گا۔ پھر میری خاک ہوا میں اُڑا دی جائے گی اور ایک مرتبہ نہیں 70 مرتبہ مجھ سے یہ سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ آپ کی حمایت میں فنا ہو جاؤں گا۔"

زہیر بن القین نے کہا: بخدا اگر میں ہزار مرتبہ بھی آرے سے چیرا جاؤں تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ میں خوشا نصیب۔ اگر میرے قتل سے آپ کی اور آپ کے اہل بیت کے ان نونہالوں کی جانیں بچ جائیں۔"

سیدہ زینب علیہا السلام کی بے چینی اور آپ کا توصیہ صبر

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں، میں بیٹھا تھا۔ میری پھوپھی زینب میری تیمارداری کر رہی تھیں۔ اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب کیا۔ اس خیمے میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے غلام حوی تلوار صاف کر رہے تھے اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے

من یا دھر اف لک من خلیل   کم لک بالا شراق والاصیل

صاحب او طالب قتیل   والدھر لا یقنع بالبدیل

وانمــا الامــر الــی الـجـلـیـل وکـل حــی ســالـك السبیـل

اے زمانہ تیرا برا ہو تو کیسا بے وفا دوست ہے۔ صبح اور شام تیرے ہاتھوں کتنے
مارے جاتے ہیں۔ زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ کسی سے عوض قبول نہیں کرتا
اور سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ موت کی راہ پر چلا رہا ہے۔

تین چار مرتبہ آپ نے یہی شعر دہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں، مگر میں نے آنسو روک لیے۔ میں سمجھ گیا مصیبت ٹلنے والی نہیں ہے۔ میری پھوپھی نے یہ شعر سنے، وہ بے قابو ہو گئیں۔ بے اختیار دوڑتی ہوئی آئیں اور شیون وفریاد کرنے لگیں۔"

سیدنا امام رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی، تو فرمایا:

"اے بہن! یہ کیا حال ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس وشیطان کی بے صبریاں ہمارے ایمان واستقامت پر غالب آ جائیں۔"

انہوں نے روتے ہوئے کہا:

"کیوں کر اس حالت پر صبر کیا جائے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں۔"

آپ نے کہا: "مشیت ایزدی کا ایسا ہی فیصلہ ہے۔"

اس پر ان کی بے قراریاں اور زیادہ بڑھ گئیں اور شدت غم سے بے حال ہو گئیں۔

یہ حالت دیکھ کر آپ نے ایک طولانی تقریر صبر واستقامت پر فرمائی۔ آپ نے کہا:

"بہن! خدا سے ڈر، خدا کی تعزیت سے تسلی حاصل کر۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لیے ہے۔ آسمان والے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج وبے قراری کیوں ہو؟ دیکھ ہمارے لیے ہر مسلمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اُسوۂ حسنہ ہے۔ یہ نمونہ ہمیں کیا سکھاتا ہے؟ ہمیں ہر حال میں صبر وثبات اور توکل ورضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہیے کہ کسی حال میں بھی اس سے منحرف نہ ہوں۔"

پوری رات عبادت میں گزار دی

پوری رات آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے نماز، استغفار اور دعا وتضرع میں گزار دی۔ راوی کہتا ہے دشمن کے سوار رات بھر ہمارے لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بلند آواز سے یہ آیت پڑھ رہے تھے:

(آل عمران3/:179,178)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ مَّا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ

دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہماری ڈھیل ان کے لیے بھلائی ہے۔ ہم صرف اسلئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کا جرم اور زیادہ ہو جائے۔ خدا مؤمنین کو اسی حالت میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے، وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دے گا

دشمن کے ایک سوار نے یہ آیت سنی تو چلا کر کہنے لگا:

''قسم رب کعبہ کی، ہم ہی وہ طیب ہیں اور تم سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔

عشرہ کی صبح

جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی فوج لے کر نکلا۔ سیدنا حسین علیہ السلام نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں۔ ان کے ساتھ صرف 32 سوار اور 40 پیدل کل 72 آدمی تھے۔ میمنہ پر زہیر بن القین کو مقرر کیا۔ علم اپنے بھائی عباس بن علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا اور آگ جلا دی گئی تا کہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

شمر کی یاوہ گوئی

فوج سے شمر ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا ہوا نکلا۔ آپ کے لشکر کے گرد پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا: اے حسین رضی اللہ عنہ قیامت سے پہلے ہی تم نے آگ قبول کر لی؟'' حضرت نے جواب دیا: اے چرواہے کے لڑکے! تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے۔ مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا:

''مجھے اجازت دیجیے، اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں، کیوں کہ بالکل زد پر ہے۔''

حضرت نے منع کیا: ''نہیں میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا۔''

دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ الٰہی! ہر مصیبت میں تجھی پر میرا بھروسہ ہے۔ ہر سختی میں میرا تو ہی پشت پناہ ہے۔ کتنی مصیبتیں پڑیں۔ دل کمزور ہو گیا۔ تدبیر نے جواب دیا۔ دوست نے بے وفائی کی۔ دشمن نے خوشیاں منائیں، مگر میں نے

صرف تجھی سے التجاء کی اور تو نے ہی میری دستگیری کی! تو ہی ہر نعمت کا والی ہے تو ہی احسان والا ہے، آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے۔

دشمن کے سامنے خطبہ

جب دشمن قریب آ گیا، تو آپ نے اونٹنی طلب کی، سوار ہوئے، قرآن سامنے رکھا اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا:

> ''لوگو! میری بات سنو، جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو، اپنا عذر بیان کرنے دو، اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو اور تم اسے قبول کر سکو اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تمہارے لیے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آ جاؤ گے، لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کر دو، تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں۔ تم اور تمہارے ساتھی ایکا کر لو، مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگار عالم پر ہے اور وہ نیکو کاروں کا حامی ہے۔''

آپ کی اہل بیت نے یہ کلام سنا تو شدت تاثر سے بے اختیار ہو گئیں اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ اور اپنے فرزند علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ انہیں خاموش کرائیں اور کہا: ''ابھی انہیں بہت رونا باقی ہے۔'' پھر بے اختیار پکار اٹھے: ''خدا عباس رضی اللہ عنہ کی عمر دراز کرے۔'' (یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی) راوی کہتا ہے یہ جملہ اس لیے آپ کی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو ساتھ لے جانے سے منع کیا تھا، مگر آپ نے اس پر توجہ نہ کی تھی۔ اب ان کی جزع فزع کو دیکھا تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی بات یاد آ گئی۔

پھر آپ نے از سر نو تقریر شروع کی:

> ''لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو، سوچو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو، کیا تمہارے لیے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی لڑکی کا بیٹا، اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ میرے باپ کے چچا نہ تھے؟ کیا ذوالجناحین سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ طیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور دوسرے بھائی کے حق

میں فرماتے ہیں:

سیّد شباب اهل جنة　　　　جنت میں نوعمروں کے سردار

اگر میرا یہ بیان سچ ہے اور ضرور سچا ہے، کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیے؟ اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے، تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں، جن سے تصدیق کر سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھو۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے پوچھو، سہیل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے پوچھو۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھو۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھو، وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ! اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمہارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں۔ کیا تم اس لیے مجھے ہلاک کرنا چاہتے کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟''

کوفہ والوں کی یاد

آپ نے بار بار پوچھا، مگر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر آپ نے بڑے بڑے کوفیوں کو نام لے کر پکارنا شروع کیا:

''اے اشعث بن ربعی، اے حجاب بن ابجر، اے قیس بن الاشعث، اے یزید بن الحارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پک گئے ہیں، زمین سرسبز ہوگئی، نہریں اُبل پڑیں۔ آپ اگر آئیں گے، تو اپنی فوج جرار کے پاس آئیں گے جلد آیئے۔''

اس پر ان لوگوں کی زبانیں کھلیں اور انہوں نے کہا:

''ہرگز نہیں، ہم نے تو نہیں لکھا تھا۔'' آپ چلا اُٹھے: ''سبحان اللہ! یہ کیا جھوٹ ہے۔ واللہ تم ہی نے لکھا تھا۔ اس کے بعد آپ نے پھر پکار کر کہا: ''اے لوگو! چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو، اس لیے بہتر ہے مجھے چھوڑ دو، میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں۔''

ذِلت منظور نہیں

یہ سن کر قیس بن الاشعث نے کہا: ''کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو عم زادوں کے حوالے کر دیں، وہ وہی برتاؤ کریں گے جو آپ کو پسند ہے، آپ کو ان سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔''

آپ نے جواب دیا: ''تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ اے شخص! کیا تو چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے سوا ایک اور خون کا بھی مطالبہ کریں؟ نہیں، واللہ! میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔'' [1]

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

زہیر بن القین اپنا گھوڑا بڑھا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلائے:

''اے اہل کوفہ! عذابِ الٰہی سے ڈرو، ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو اس وقت تک ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں، جب تک تلواریں نیام سے باہر نہیں نکلتیں تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے ہر طرح حقدار ہو، لیکن تلوار کے درمیان آتے ہی باہمی حرمت ٹوٹ جائے گی اور ہم تم الگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ دیکھو خدا نے ہمارا اور تمہارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمہیں اہل بیت کی نصرت کی طرف بلاتے اور سرکش عبیداللہ بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو ان حاکموں سے کبھی تمہیں بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمہاری آنکھیں پھوڑیں گے، تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمہارے چہرے بگاڑیں گے، تمہیں درختوں کے تنوں میں پھانسی دیں گے اور نیکوکاروں کو چن چن کر قتل کریں گے، بلکہ وہ تو کب کا کر بھی چکے ہیں۔ ابھی حجر بن عدی، ہانی بن عمرو وغیرہ کے واقعات اتنے پرانے نہیں ہوئے ہیں کہ تمہیں یاد نہ رہے ہوں گے۔''

کوفیوں نے یہ تقریر سنی تو زہیر کو برا بھلا کہنے لگے اور ابن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے:

''بخدا ہم اس وقت نہیں ٹلیں دیں گے، جب تک حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کر لیں یا انہیں امیر کے روبرو حاضر نہ کر لیں۔'' یہ ان کا جواب تھا۔

[1] حوالہ ابن جریر ج:6، ص:243

زہیر نے جواب دیا:

''خیر اگر فاطمہ کا بیٹا سمیہ کے چھوکرے (یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمہاری حمایت ونصرت کا مستحق ہے، تو کم از کم اولادِ رسول کا اتنا تو پاس کرو کہ اسے قتل نہ کرو۔ اسے اور اس کے عم زاد یزید بن معاویہ کو چھوڑ دو تاکہ آپس میں اپنا معاملہ طے کرلیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یزید کو خوش کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ تم حسین علیہ السلام کا خون بہاؤ۔''

حر بن یزید کی موافقت

عدی بن حرملہ سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو حرکت دی تو حر بن یزید نے کہا: ''خدا آپ کو سنوارے! کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑیں گے؟''

ابن سعد نے جواب دیا: ہاں واللہ لڑائی ایسی لڑائی جس میں کم از کم یہ ہوگا کہ سر کٹیں گے اور ہاتھ شانوں سے اڑ جائیں گے۔

حر نے کہا: ''کیا ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں جو اُس نے پیش کی ہیں۔''

ابن سعد نے کہا: ''بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا، تو ضرور منظور کر لیتا، مگر کیا کروں تمہارا حاکم منظور نہیں کرتا۔''

حر بن یزید یہ سن کر اپنی جگہ لوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اس کے قبیلہ کا بھی ایک شخص کھڑا تھا، اس کا نام قرہ بن قیس تھا۔ حر نے اس سے کہا: ''تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا؟''

بعد میں قرہ کہا کرتا تھا:

''حر کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شریک نہیں ہونا چاہتا اور مجھے ٹالنا چاہتا ہے تاکہ اس کی شکایت حاکم سے نہ کروں۔ ''میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہے، میں ابھی جاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں دوسری طرف روانہ ہوگیا۔ میرے الگ ہوتے ہی حر نے سیدنا حسین علیہ السلام کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔

اس کے قبیلہ کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا:

کیا تم حسین علیہ السلام پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟'' حر خاموش ہوگیا۔ مہاجر کو شک ہوا

کہنے لگا:

''تمہاری خاموشی مشتبہ ہے۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے بہادر کون ہے؟ تو تمہارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آ سکتا۔ پھر یہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟''

حر نے سنجیدگی سے جواب دیا:

''بخدا میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ میں نے جنت کا انتخاب کر لیا ہے، چاہے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے۔''

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر حسین علیہ السلام میں پہنچ گیا۔ سیدنا حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر کہا:

''ابن رسول اللہ! میں ہی وہ بد بخت ہوں جس نے آپ کو لوٹنے سے روکا۔ راستہ بھر آپ کا پیچھا کیا اور اس جگہ اترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ آئی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہ کریں گے اور آپ کے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کریں گے، تو ہرگز اس حرکت کا مرتکب نہ ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہو کر توبہ کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قربان ہونا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے خیال میں یہ میری توبہ کے لیے کافی ہوگا؟''

حضرت نے شفقت سے فرمایا:

ہاں خدا تیری توبہ قبول کرے، تجھے بخش دے تیرا نام کیا ہے؟'' اس نے کہا: حر بن یزید۔ فرمایا: ''تو حر (یعنی آزاد) ہی ہے جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ تو دنیا میں اور آخرت میں ان شاء اللہ حر ہے۔''

کوفیوں سے حر کا خطاب

پھر حر دشمن کی صفوں کے سامنے پہنچا اور کہا:

''اے لوگو! سیدنا حسین علیہ السلام کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں کر لیتے تا کہ خدا تمہیں اس امتحان سے بچا لے؟''

لوگوں نے جواب دیا:

"یہ ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں، جواب دیں گے۔"

عمر نے کہا: "میری دلی خواہش تھی کہ ان کی شرطیں منظور کر سکتا۔"

اس کے بعد حر نے نہایت جوش وخروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کو ان کی بدعہدی وعذر پر شرم وغیرت دلائی، لیکن اس کے جواب میں انہوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے، ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز

اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اٹھائی اور لشکر حسین علیہ السلام کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا:

"گواہ رہو سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔" پھر تیر باری شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں زیاد بن ابیہ اور عبیداللہ بن زیاد کے غلام یسار اور سالم نے میدان میں مبارزت طلب کی۔ قدیم طریق جنگ میں مبارزت کا طریقہ یہ تھا کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا اور پھر دونوں باہم وگر پیکار کرتے۔ لشکر حسین علیہ السلام میں سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن حضیر نکلنے لگے، مگر سیدنا حسین علیہ السلام نے انہیں منع کیا۔ عبداللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہو کر عرض کیا: "مجھے اجازت دیجئے۔" یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لیے کوفہ سے چل کر آیا تھا۔ سیاہ رنگ، تنومند، کشادہ سینہ تھا۔ آپ نے اس کی صورت دیکھ کر فرمایا: بے شک یہ مرد میدان ہے اور اجازت دی۔ عبداللہ نے چند پھیروں میں دونوں زیر کر کے قتل کر ڈالے۔ اس کی بیوی اُم وہب ہاتھ میں لاٹھی لیے کھڑی تھی۔ اور جنگ کی ترغیب دیتی تھی۔ پھر یکا یک اُسے اس قدر جوش آیا کہ میدان جنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ سیدنا حسین علیہ السلام یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے فرمایا: اہل بیت کی طرف سے خدا تمہیں جزائے خیر دے لیکن عورتوں کے ذمہ لڑائی نہیں۔"

گھٹنے ٹیک کر نیزے سیدھے کر دیئے

اس کے بعد ابن سعد کے میمنہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت کے رفقاء زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہوگئے اور نیزے سیدھے کر دیئے۔ نیزوں کے منہ پر گھوڑے بڑھ نہ سکے اور لوٹنے لگے۔ حضرت کی فوج نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور تیر مار کر کئی آدمی قتل اور زخمی کر دیئے۔

عام حملہ

اب باقاعدہ جنگ جاری ہوگئی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جوان نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے طرفداروں کا پلہ بھاری تھا جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ میمنہ کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اُٹھا: ''بیوقوفو! پہلے جان لو، کن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں، تم اسی طرح ایک ایک کر کے قتل ہوتے جاؤ گے۔ ایسا نہ کرو، یہ مٹھی بھر ہیں، انہیں پتھروں سے مار سکتے ہو۔ عمر بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو: چنانچہ میمنہ آگے بڑھا اور کشت وخون شروع ہوگیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رکی تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک وخون میں پڑے ہیں۔ سیدنا حسین علیہ السلام دوڑ کر لاش پر پہنچے، ابھی سانس باقی تھی۔ آہ بھر کر فرمایا: مسلم تجھ پر خدا کی رحمت فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (33/الاحزاب:23) مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں آپ کی جانب سے پہلے شہید تھے۔ [1]

گھوڑے بیکار ہوگئے

میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی، شمر ذی الجوشن اس کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا، مگر حسینی میسرہ نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف 32 سوار تھے جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے، صفیں اُلٹ جاتی تھیں۔ آخرطاقتور دشمن نے محسوس کرلیا کہ کامیابی ناممکن ہے، چنانچہ فورائی کمک طلب کی، بہت سے سپاہی اور پانسو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے انہوں نے آتے ہی تیر برسانے شروع کردیئے۔ تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے گھوڑے بیکار ہوگئے اور سواروں کو پیدل ہوجانا پڑا۔

حر کی شجاعت

ایوب بن مشرح روایت کرتا ہے کہ حر بن یزید کا گھوڑا خود میں نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اُسے تیروں سے چھلنی کرڈالا۔ حر بن یزید زمین پر کود پڑے، تلوار ہاتھ میں لیے بالکل شیر ببر معلوم ہوتے تھے، تلوار ہر طرف متحرک تھی اور یہ شعر زبان پر تھا

ان تعقروا بی فانا ابن الحر اشجع من ذی لبد هزبر

اگر تم نے میرا گھوڑا بے کار کر دیا تو کیا ہوا؟ میں شریف کا بیٹا ہوں۔ خوفناک شیر سے

[1] تاریخ طبری، ج:6، ص:249

بھی زیادہ بہادر ہوں

خیمے جلا دیئے

لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی، اب دوپہر ہوگئی، مگر کوئی فوج غلبہ حاصل نہ کر سکی۔ وجہ یہ تھی کہ لشکر امام مجتمع تھا اور حسینی فوج نے تمام خیمے ایک جگہ جمع کر دیئے تھے اور دشمن صرف ایک ہی رخ سے حملہ کرسکتا تھا۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھا، تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے۔ حسینی فوج کے صرف چار پانچ آدمی یہاں مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے خیموں کی آڑے سے دشمن کے آدمی قتل کرنے لگے۔ جب یہ صورت بھی ناکامیاب رہی، تو عمر بن سعد نے خیمے جلا دینے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دوڑے۔ حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی، مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کچھ پرواہ نہیں، جلانے دو، یہ ہمارے لیے اور بھی زیادہ بہتر ہے۔ اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کرسکیں گے اور ہوا بھی یہی!

اُم وہب کا قتل

اِسی اثناء میں زہیر بن القین نے شمر پر زبردست حملہ کیا اور اس کی فوج کے قدم اکھاڑ دیئے۔ مگر کب تک؟ ذرا سی دیر کہ بعد پھر دشمن کا ہجوم ہوگیا۔ اب حسینی لشکر کی بے بسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہو چکے تھے۔ کئی نامی سردار مارے جا چکے تھے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن عمیر کلبی بھی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، قتل ہو چکا تھا، اس کی بیوی ام وہب بھی شہید ہو چکی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی۔ ''تجھے جنت مبارک ہو۔'' شمر نے اسے دیکھا اور قتل کر ڈالا۔ [1]

نماز پڑھنے نہیں دی

ابو ثمامہ عمرو بن عبداللہ صائدی نے اپنی بے بسی کی حالت محسوس کی اور جنابِ حسین علیہ السلام سے عرض کیا ''دشمن اب بالکل آپ کے قریب آ گیا ہے۔ واللہ آپ اُس وقت تک قتل نہیں ہونے پائیں گے، جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں، لیکن میری آرزو یہ ہے کہ میں اپنے رب سے نماز پڑھ کر ملوں، جس کا وقت قریب آ گیا ہے۔''

یہ سن کر حضرت نے سر اٹھایا اور فرمایا: ''دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی مہلت دیں۔'' مگر دشمنوں نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

[1] ابن جریر طبری، ج:6، ص: 251

حبیب اور حر کی شہادت

یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے اپنی پوری قوت لگا دی۔ غضب یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار حبیب ابن مظاہر بھی قتل ہو گئے: گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی حبیب کے بعد ہی حر بن یزید کی باری تھی۔ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں گھس پڑے:

الیت الا اقتل حتیٰ اقتلا ولن اصاب الیوم الا مقبلا

میں نے قسم کھالی ہے کہ قتل نہیں ہوں گا، جب تک قتل نہ کرلوں اور مروں گا تو اسی حال میں مروں گا کہ آگے بڑھ رہا ہوں گا۔

اضربھم بالسّیف ضربا مقصلا لانا کلا عنھم ولا مھلّلاً

انہیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا نہ بھاگوں گا نہ ڈروں گا

زہیر کی شہادت

چند لمحوں کی بات تھی۔ حر زخموں سے چور ہو کر گرے اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ اب ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس موقعہ پر آپ کے میسرہ کے سپہ سالار زہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھ میں لے لیا اور شعر پڑھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے

انا زھیر وانا ابن القین اذودھم بالسیف عن حسین

میں زہیر ہوں، ابن القین ہوں، اپنی تلوار کی نوک سے انہیں حسین سے دور کر دوں گا

صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ پھر لوٹے اور سیدنا حسین علیہ السلام کے شانے پر ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے

اقدم ھدیت ھادیا مھدیا فالیوم تلقی جدك النبیاء

آگے بڑھ خدا نے تجھے ہدایت دی، آج تو اپنے نانا نبی سے ملاقات کرے گا

وحسنا والمرتضیٰ علیا وذالجنا حین الفتی الکمیا

اور حسن سے، علی مرتضیٰ سے، اور بہادر جوان جعفر طیار سے

واسد اللہ الشھید الحیا

اور شہید زندہ اسد اللہ حمزہ سے

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے، یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔

غفاری بھائیوں کی بہادری

اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا ناممکن ہے، چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ آپ کے سامنے ایک ایک کر کے قتل ہو جائیں: چنانچہ دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے۔ یہ شعر ان کی زبان پر تھے

قد علمت حقا بنو غفار وخندف بعد بنی نزار

اے قوم! تلوار اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو۔ بنی غفار اور قبائلِ نزار نے اچھی طرح جان لیا ہے

لنضر بن معشر الفجار بکل غضب صارم تبار

کہ ہم بے پناہ شمشیر آبدار سے فاجروں کے ٹکڑے اڑا دیں گے

یا قوم ذودواعن بنی الاحرار بالمشرفی والقنا الخطار

جابری لڑکے کی فداکاری

ان کے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے، دونوں بھائی تھے۔ زار و قطار رو رہے تھے۔ حضرت نے انہیں دیکھا، تو فرمانے لگے: اے میرے بھائی کے فرزندو! کیوں روتے ہو، ابھی چند لمحے بعد تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔"

انہوں نے ٹوٹی ہوئی آواز میں عرض کیا: "ہم اپنی جان پر نہیں روتے، ہم آپ پر روتے ہیں، دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے۔"

پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار بار چلاتے تھے: السلام علیک یا ابن رسول اللہ!"

حنظلہ بن اسعد کی شہادت

ان کے بعد حنظلہ بن اسعد حضرت کے سامنے آ کر کھڑے ہوئے اور بآوازِ بلند مخاطب ہوئے: "اے قوم! میں ڈرتا ہوں عاد و ثمود کی طرح تمہیں روزِ بد نہ دیکھنا پڑے۔ میں ڈرتا ہوں تم برباد نہ ہو جاؤ۔ اے قوم! حسین علیہ السلام کو قتل نہ کرو۔ ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب نازل کر دے۔"

بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔

علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت

غرضیکہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہو گئے۔ اب بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے علی اکبر رضی اللہ عنہ میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا ان کا رجزیہ تھا۔

انا علی بن حسین بن علی   نحن ورب البیت اولیٰ بالنبی

میں علی بن حسین بن علی علیہ السلام ہوں۔ قسم رب کعبہ کی ہم نبی کے قرب کے زیادہ حق دار ہیں

تاالله لایحکمه فینا ابن الدعی

قسم خدا کی نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کر سکے گا

بڑی شجاعت سے لڑے، آخر مرہ بن منقذ العبدی کی تلوار سے شہید ہو گئے۔ ایک راوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت تیزی سے نکلی۔ اتنی حسین عورت تھی جیسے اُٹھتا ہوا سورج! وہ چلا رہی تھی آہ! بھائی! آہ بھتیجے! میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ''زینب بنت فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!'' لیکن سیدنا حسین علیہ السلام نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمے میں پہنچا آئے۔ پھر علی علیہ السلام کی نعش اٹھائی اور خیمے کے سامنے لا کر رکھ دی۔ [1]

ایک جوانِ رعنا

ان کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جاں فروش قتل ہوتے رہے، یہاں تک کہ میدان میں ایک جوانِ رعنا نمودار ہوا، وہ کرتہ پہنے، تہ بند باندھے، پاؤں میں نعل پہنے تھا، بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بپھرتا ہوا آیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ عمرو بن سعد ازدی نے اس کے سر پر تلوار ماری نوجوان چلایا: ''ہائے چچا'' اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے ہی سیدنا حسین علیہ السلام بھوکے باز کی طرح ٹوٹے اور غضب ناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے، بے پناہ تلوار کا وار کیا، مگر ہاتھ کہنی سے کٹ کر اڑ چکا تھا۔ زخم کھا کر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اسے بچانے کے لیے ٹوٹ پڑی، مگر گھبراہٹ میں بچانے کی بجائے اُسے روند ڈالا۔

راوی کہتا ہے ''جب غبار چھٹ گیا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ لڑکے کے سرہانے

[1] طبری، ج:6، ص: 256

کھڑے ہیں، وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور آپ فرماتے ہیں: ''ان کے لیے ہلاکت جنھوں نے تجھے قتل کیا ہے۔ قیامت کے دن تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے، تو اسے پکارے اور وہ جواب نہ دے یا جواب دے مگر تجھے اس کی آواز نفع نہ دے سکے۔ افسوس! تیرے چچا کے دشمن بہت ہوگئے اور دوست باقی نہ رہے۔'' پھر لاش اپنی گود میں اٹھالی۔ لڑکے کا سینہ آپ کے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ اسے لائے اور علی اکبر علیہ السلام کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے: ''میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟'' لوگوں نے بتایا قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب۔''

مولودِ تازہ کی شہادت

سیدنا حسین علیہ السلام پھر اپنی جگہ کھڑے ہوگئے۔ عین اس وقت آپ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا، وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے گود میں رکھا اور اس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا اور بچہ کے حلق میں پیوست ہوگیا۔ بچہ کی روح اُسی وقت پرواز کرگئی۔ آپ نے تیر اُس کے حلق سے کھینچ کر نکالا۔ خون سے چلو بھرا اور اس کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے: واللہ! تو خدا کی نظر میں صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی نظر میں صالح علیہ السلام سے زیادہ افضل ہیں۔ الٰہی! اگر تو نے ہم سے نصرت روک لی ہے، تو وہی کر جس میں بہتری ہے۔

بنی ہاشم کے مقتول

اسی طرح ایک ایک کرکے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید ہوگئے۔ ان میں ذیل کے نام مؤرخین نے محفوظ رکھے ہیں: 1۔ محمد بن ابی سعید بن عقیل 2۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیل 3۔ عبدالرحمٰن بن عقیل 4۔ جعفر بن عقیل 5۔ محمد بن عبداللہ بن جعفر 6۔ عون بن عبداللہ بن جعفر 7۔ عباس بن علی 8۔ عبداللہ بن علی 9۔ عثمان بن علی 10۔ محمد بن علی 11۔ ابوبکر بن علی 12۔ ابوبکر بن الحسن 13۔ عبداللہ بن الحسن 14۔ قاسم بن الحسن 15۔ علی بن الحسین 16۔ عبداللہ بن الحسین۔

ایک بچے کی شہادت

ان سب کے بعد اب خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے۔ دشمن یلغار کرکے آتے تھے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے، لیکن شمر ذوالجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہل بیت کے خیمے میں عورتیں

اور چند کم عمر لڑکے رہ گئے تھے۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا دیکھا تو جوش سے بے خود ہو گیا اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ راوی کہتا ہے اُس کے کانوں میں در پڑے ہل رہے تھے، یہ گھبرایا ہوا دائیں بائیں دیکھتا چلا گیا۔ سیدہ زینب علیہا السلام کی نظر اس پر پڑ گئی دوڑ کر پکڑ لیا۔ سیدنا حسین علیہ السلام نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا: ''روکے رکھو، آنے نہ پائے۔'' مگر لڑکے نے زور کر کے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اسی وقت بحر بن کعب نے آپ پر تلوار اٹھائی۔ لڑکے نے فوراً ڈانٹ پلائی: ''او خبیث! میرے چچا کو قتل کرے گا؟'' سنگدل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے پر چھوڑ دی، اس نے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹ گیا، ذرا سی کھال لگی رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے چلایا۔ حضرت نے اسے سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا: ''صبر کر اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے بزرگوں تک پہنچا دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی بن ابی طالب، حمزہ، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہم تک

حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت

اب آپ پر ہر طرف سے نرغہ شروع ہوا، آپ نے بھی تلوار چلانا شروع کی پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا اس کے قدم اکھاڑ دیئے۔ عبداللہ بن عمار جو خود اس جنگ میں شریک تھا۔ روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو قتل کر سکتا تھا، مگر یہ خیال کر کے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں؟ میں نے دیکھا دائیں بائیں ہر طرف سے ان پر حملے ہو رہے تھے، لیکن وہ مڑ جاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وہ اس وقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے تھے۔ واللہ! میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھر کا گھر خود اُس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو، ایسا شجاع، ثابت قدم، مطمئن اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے، جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ اسی اثناء میں آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہما السلام) خیمہ سے باہر نکلیں۔ ان کے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں۔ وہ چلاتی تھی: ''کاش! آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے۔'' یہ وہ موقعہ تھا، جبکہ عمر بن سعد سیدنا حسین علیہ السلام کے بالکل قریب ہو گیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے پکار کر کہا: ''اے عمر! کیا ابوعبداللہ تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے؟'' عمر نے منہ پھیر لیا، مگر اس کے رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔

آپ کے حلق میں تیر پیوست ہو گیا

لڑائی کے دوران میں آپ کو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے، مگر دشمن کب جانے دیتا تھا۔ اچانک ایک تیر آیا اور آپ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچ لیا۔ پھر آپ نے ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے، تو دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ الٰہی! میرا شکوہ تجھی سے ہے، دیکھ تیرے رسول کے نواسے سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے؟

تو نیز برسرِ بام آنچہ خوش تماشائیست

شمر کو سرزنش

پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے، تو شمر اور اس کے ساتھیوں نے یہاں بھی تعرض کیا۔ حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہے۔ خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا: ''اگر تم میں دین نہیں اور تم روزِ آخرت سے ڈرتے نہیں ہو تو کم از کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے خیمے کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو۔''

شمر نے جواب دیا: ''اچھا ایسا ہی کیا جائے گا اور آپ کا خیمہ محفوظ رہے گا۔''

آخر تنبیہ

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا، مگر یہ گناہ کوئی بھی اپنے سر نہ لینا چاہتا تھا۔ آخر شمر ذوالجوشن چلایا:

''تمہارا برا ہو! کیا انتظار کرتے ہو، کیوں کام تمام نہیں کرتے۔''

اب پھر ہر طرف سے نرغہ ہوا۔ آپ نے پکار کر کہا:

''کیوں میرے قتل پر ایک دوسرے کو اُبھارتے ہو؟ واللہ! میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہ ہو گا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہو گا۔''

شہادت

مگر اب وقت آ چکا تھا زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں ہاتھ کو زخمی کر دیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے، مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا، اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اس نے ایک شخص سے کہا: ''سر کاٹ لے۔'' وہ سر

کاٹنے کیلئے لپکا مگر جرأت نہ ہوئی۔ سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا "خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے۔" پھر جوش سے اُترا اور آپ کو ذبح کیا اور سرتن سے جدا کیا۔

جعفر بن محمد بن علی سے مروی ہے کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپ کے جسم پر نیزے کے 33 زخم اور تلوار کے 34 گھاؤ تھے۔

قاتل

سنان ابن انس کے دماغ میں کسی قدر فتور تھا۔ قتل کے وقت اس کی عجیب حالت تھی جو شخص بھی حضرت کی نعش کے قریب آتا تھا، وہ اس پر حملہ آور ہوتا تھا، وہ ڈرتا تھا کوئی دوسرا ان کا سر نہ کاٹ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی بن یزید اصبحی کے حوالے کیا اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا، خیمے کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا:

او قرر کابی من فضة و ذهبا ——انا قتلت الملك المحجبا

مجھے سونے چاندی سے لاد دو۔ میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے

قتلت خیر الناس اُمّاً و اَبّاً ——وخیرهم اذینسبون نسبا

میں نے اس کو قتل کیا ہے جس کے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور جو اپنے نسب میں سب سے اچھا ہے

عمر بن سعد نے اسے اندر بلا لیا اور بہت خفا ہو کر کہنے لگا: "واللہ تو مجنون ہے۔" پھر اپنی لکڑی سے اُسے مار کر کہا:

"پاگل ایسی بات کہتا ہے۔ بخدا اگر عبیداللہ بن زیاد سنتا، تو تجھے ابھی مروا ڈالتا۔"

لوٹ کھسوٹ

قتل کے بعد کوفیوں نے آپ کے بدن کے کپڑے تک اتار لیے، پھر آپ کے خیمے کی طرف بڑھے۔ زین العابدین بستر پر بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہنچا اور کہنے لگا: اسے بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں۔" لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی۔ کہا: کیا بچوں کو بھی مار ڈالو گے۔؟" اس اثناء میں عمر بن سعد بھی آ گیا اور حکم دیا:

"کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے۔ اس بیمار کو کوئی نہ چھیڑے، جس کسی نے

خیمہ کا اسباب لوٹا ہو، واپس کر دے۔"

زین العابدینؒ نے یہ سن کر اپنی بیمار آواز سے کہا: عمر بن سعد! خدا تجھے جزائے خیر دے، تیری زبان نے ہمیں بچالیا۔"

نعش روند ڈالی

عمر بن سعد کو حکم تھا کہ سیدنا حسین علیہ السلام کی نعش گھوڑوں کے ٹاپوں سے روند ڈالے، اب اس کا وقت آیا اور اس نے پکار کر کہا: "اس کام کے لیے کون تیار ہے؟" دس آدمی تیار ہوئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا

چوں بگذرد نظیری خونیں کفن بہ حشر خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست

اس جنگ میں حسین علیہ السلام کے 72 آدمی مارے گئے اور کوفی فوج کے 88 مقتول ہوئے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عمر بن سعد نے میدانِ جنگ سے کوچ کیا۔ اہل بیت کی خواتین اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہو گیا۔

قرہ بن قیس (جو شاہد عینی ہے) روایت کرتا ہے کہ ان عورتوں نے جب سیدنا حسین علیہ السلام اور ان کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں، تو ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ میں گھوڑا لے کر ان کے قریب پہنچا۔ میں نے اتنی حسین عورتیں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنتِ فاطمہ علیہما السلام کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود وسلام! یہ دیکھ حسین علیہ السلام ریگستان میں پڑا ہے۔ خاک وخون میں آلودہ ہے، تمام جسم ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ تیری بیٹیاں قیدی ہیں۔ تیری اولاد مقتول ہے۔ ہوا ان پر خاک ڈال رہی ہے۔" راوی کہتا ہے دوست دشمن کوئی نہ تھا، جو ان کے بین سے رونے نہ لگا ہو۔

72 سر

پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے کل 72 سر تھے۔ شمر ذوالجوشن قیس بن العشت، عمرو بن الحجاج، عزمرہ بن قیس، یہ تمام عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابن زیاد کے سامنے

حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ سیدنا حسین علیہ السلام کا سر کوفہ لایا تھا) روایت کرتا

ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر ابن زیاد کے روبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ چھڑی آپ کے لبوں پر مارنے لگا۔

جب اس نے بار بار یہی حرکت کی، تو زید بن ارقم رضی اللہ عنہ صحابی چلا اٹھے: ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹا لے قسم خدا کی، میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔'' یہ کہہ کر وہ زاروقطار رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہو گیا:

''خدا تیری آنکھوں کو رلائے۔ واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا، تو ابھی تیری گردن مار دیتا۔''

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے مجلس سے اُٹھ گئے: ''اے عرب کے لوگو! آج کے بعد سے تم غلام ہو، تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (یعنی عبیداللہ) کو حاکم بنایا وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا اور شریفوں کو غلام بناتا ہے، تم نے ذلت پسند کر لی۔ خدا انہیں مارے، جو ذلت پسند کرتے ہیں۔'' بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہے، مگر صحیح یہی ہے کہ ابنِ زیاد نے چھڑی ماری تھی۔

ابن زیاد اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

راوی کہتا ہے جب اہل بیت کی خواتین اور بچے عبیداللہ کے سامنے پہنچے تو سیدہ زینب علیہا السلام نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا، وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انہیں اپنے بیچ میں لیے تھیں۔ عبیداللہ نے پوچھا: ''یہ کون بیٹھی ہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا، مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا: ''یہ زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔'' عبیداللہ شماتت کی راہ سے چلایا: ''اس خدا کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا ہے اور تمہارے نام کو بٹہ لگایا۔'' اس پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''ہزار ستائش اس خدا کے لیے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزت بخشی اور ہمیں پاک کیا نہ کہ جیسا کہ تو کہتا ہے۔ فاسق رسوا ہوتے ہیں، فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہے۔''

ابن زیاد نے کہا: ''تو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بولیں:

''ان کی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی، اس لیے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور انہیں ایک جگہ جمع کر دے گا اور تم باہم اس کے حضور سوال و جواب کر لو گے۔''

ابن زیاد غضب ناک ہوا، اس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا: ''خدا امیر کو سنوارے یہ تو محض ایک عورت ہے۔ عورتوں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہیے۔''

پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا:

''خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔'' اس پر سیدہ زینب علیہا السلام اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں، بے اختیار رو پڑیں۔ انہوں نے کہا: ''واللہ تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا، میرا خاندان مٹا ڈالا، میری شاخیں کاٹ ڈیں، میری جڑ اکھاڑ دی، اس سے تیرا دل اگر ٹھنڈا ہو سکتا ہے، تو ٹھنڈا ہو جائے۔''

ابن زیاد نے مسکرا کر کہا:

''یہ شجاعت ہے! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔'' حضرت زینب نے کہا: ''عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، یہ تو دل کی آگ ہے۔''

ابن زیاد اور امام زین العابدین علیہ السلام

اس گفتگو سے فارغ ہو کر ابن زیاد کی نظر زین العابدین علی ابن الحسین علیہ السلام پر پڑی۔ یہ بیمار تھے۔ ابن زیاد نے ان سے ان کا نام پوچھا: ''انہوں نے کہا: ''علی بن الحسین'' ابن زیاد نے تعجب سے کہا: ''کیا اللہ نے علی بن الحسین علیہ السلام کو قتل نہیں کر ڈالا؟''

زین العابدین علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ابن زیاد نے کہا: ''بولتا کیوں نہیں؟''

انہوں نے جواب دیا:

''میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا، لوگوں نے غلطی سے اسے مار ڈالا ہے۔''

ابن زیاد نے کہا: ''لوگوں نے نہیں، خدا نے مارا ہے۔''

اس پر زین العابدین علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (39/الزمر:42)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (3/آل عمران:145)

اس پر ابن زیاد چلایا:

"خدا تجھے مارے، تو بھی انہیں میں سے ہے۔ پھر اس کے بعد ابن زیاد نے چاہا کہ انہیں بھی قتل کر ڈالے، لیکن سیدہ زینب علیہا السلام بے قرار ہو کر چیخ اُٹھیں: "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں، اگر تو مومن ہے اور اس لڑکے کو ضروری قتل کرنا چاہتا ہے، تو مجھے بھی اسی کے ساتھ مار ڈال۔"

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے کہا: "اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے، تو میرے بعد ان کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا۔ جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے برتاؤ کرے۔" ابن زیاد دیر تک سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے۔ واللہ! مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا لڑکے کو چھوڑ دو، یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے۔

ابن عفیف کا قتل

اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اس خدا کی تعریف کی جس نے حق کو ظاہر کیا، حق والوں کو فتح یاب کیا۔ امیر المؤمنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت غالب ہوئی۔ کذاب حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا......"

یہ سن کر عبداللہ بن عفیف ازدی (جو علی رضی اللہ عنہ کے مشہور صحابی ہیں اور جنگ جمل وصفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے) کھڑے ہو گئے اور چلائے: "خدا کی قسم اے ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو تُو ہے نہ کہ حسین ابن علی رضی اللہ عنہ۔" ابن زیاد نے یہ سن کر انہیں قتل کر ڈالا۔

یزید کے سامنے

اس کے بعد ابن زیاد نے سیدنا حسین علیہ السلام کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیج دیا۔ غار بن ربیعہ کہتا ہے: "جس وقت زحر بن قیس پہنچا، میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اس سے کہا: کیا خبر ہے؟ اس نے کہا "سیدنا حسین بن علی علیہ السلام اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ساٹھ حمایتیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے، ہم نے انہیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ سب اپنے آپ

کو ہمارے حوالے کر دیں، ورنہ لڑائی لڑیں۔ انھوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی: چنانچہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر حملہ بول دیا۔ جب تلواریں ان کے سروں پر پڑنے لگیں، تو وہ اس طرح ہر طرف جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے، جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہم نے ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت ان کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں، ان کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں اور گدھوں کی خوراک بن گئے ہیں۔"

یزید رونے لگا

راوی کہتا ہے یزید نے یہ سنا تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ کہنے لگا: بغیر قتل حسین کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ! اگر میں وہاں ہوتا تو حسین رضی اللہ عنہ سے ضرور درگزر کر جاتا۔ خدا حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا۔ [1]

یزید کا تاثر

یزید کے غلام قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اس نے یہ شعر پڑھا

يفلقن هاما من رجال اعزة　　علينا وهم كانوا أعق واظلما

تلواریں ایسوں کا سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ دراصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے

پھر کہا: "واللہ! اے حسین علیہ السلام اگر میں وہاں ہوتا، تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا۔"

اہل بیت دمشق میں

سیدنا حسین علیہ السلام کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر ذوالجوشن اور محضر بن ثعلبہ اس قافلہ کے سردار تھے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ راستہ بھر خاموش رہے، کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچ کر محضر بن ثعلبہ چلایا۔ "میں امیر المومنین کے پاس فاجر کمینوں کو لایا ہوں۔" یزید یہ سن کر خفا ہوا کہنے لگا: "محضر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے پیدا نہیں کیا۔"

---

[1] طبری، ج:6، ص :256

یزید اور زین العابدین علیہ السلام

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا۔ اور زین العابدین علیہ السلام سے مخاطب ہوا: ''اے علی! تمہارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا۔ میرا حق بھلایا، میری حکومت چھیننا چاہی۔ اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو۔'' زین العابدین علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝

تمہاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ گئی ہو۔ یہ خدا کے لیے بالکل آسان ہے، یہ اس لیے کہ نقصان پر افسوس نہ کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو، خدا تعالیٰ مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ (57/الحدید: 21تا23)

یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اس نے چاہا، اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے، مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تب یزید نے خالد سے کہا: ''کہتا کیوں نہیں۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (42/الشوریٰ: 30)

پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا، انہیں اپنے قریب بلا کر بٹھایا ان کی ہیئت خراب ہو رہی تھی، دیکھ کر متاسف ہوا اور کہنے لگا: ''ابن مرجانہ کا خدا برا کرے۔ اگر تم سے اس کا کوئی رشتہ ہوتا، تو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا نہ اس حال میں تمہیں میرے پاس بھیجتا۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بے باکانہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنت علی سے مروی ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے، تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثناء میں ایک سرخ رنگ کا شامی لڑکا کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''امیر المؤمنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے۔'' اور میری طرف اشارہ کیا۔ اس وقت میں کم سن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب رضی اللہ عنہا کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں...... اور زیادہ سمجھدار تھیں اور جانتی تھیں کہ یہ بات نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے پکار کر کہا: ''تو کمینہ ہے نہ تجھے اس کا اختیار ہے نہ اسے (یزید کو) اس کا

حق ہے۔"

اس جرأت پر یزید کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگا:

"تو جھوٹ بکتی ہے۔ واللہ مجھے یہ حق حاصل ہے، اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا:

"ہرگز نہیں! خدا نے تمہیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو۔"

یزید اور بھی خفا ہوا کہنے لگا:

"دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے۔" زینب رضی اللہ عنہا نے بلا تامل جواب دیا: اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہے۔"

یزید چلایا: "اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہے۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بولیں:

"تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے، ظلم سے گالیاں دیتا ہے، اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے۔"

حضرت فاطمہ بنت علی کہتی ہیں یہ گفتگو سن کر شاید یزید شرمندہ ہو گیا کیونکہ پھر کچھ نہ بولا، مگر وہ شامی لڑکا پھر کھڑا ہوا اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے اسے غضب ناک آواز میں ڈانٹ پلائی:

"دور ہو کم بخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے۔"

یزید کا مشورہ

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی روسا و امرا کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا:

"ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟" بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا، مگر نعمان بن بشیر نے کہا: "ان کے ساتھ وہی سلوک کیجیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے"۔

سیدہ فاطمہ بنت حسین علیہا السلام نے یہ سن کر کہا:

"اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں" اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہو گئی، وہ اور درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ ان کے قیام کے لیے علیحدہ انتظام کر دیا جائے۔"

یزید کی بیوی کا غم

اس اثناء میں واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہوگئی۔ ہندہ بنت عبداللہ، یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالی اور باہر آ کر یزید سے کہا:

''امیر المومنین کیا حسین بن فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول کا سر آیا ہے؟'' یزید نے کہا:

''ہاں! تم خوب روؤ، بین کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی، قتل کر ڈالا، خدا اسے بھی قتل کرے۔''

حسین علیہ السلام کی اجتہادی غلطی

اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا: تم جانتے ہو، یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسین علیہ السلام کے اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے سوچا میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں، میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے، میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں، اس لیے حکومت کا یزید سے زیادہ مستحق ہوں، حالانکہ ان کا یہ سمجھنا کہ ان کے والد میرے والد سے افضل تھے، صحیح نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ فیصلہ کس کے حق میں ہوا؟ رہا ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے افضل تھی، تو یہ بلاشبہ ٹھیک ہے۔ فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔ اسی طرح ان کے نانا میرے نانا سے افضل تھے تو خدا کی قسم! کوئی بھی انسان اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول سے افضل، بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسین علیہ السلام کے اجتہاد نے غلطی کی وہ یہ آیت بالکل بھول گئے۔

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

''اے اللہ بادشاہی کے مالک، تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے (3/ال عمران:26)

پھر اہل بیت کی خواتین یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خاندانِ معاویہ کی عورتوں نے انہیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی سعیٔ تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسین علیہا السلام نے اس سے کہا: ''اے یزید! کیا رسول اللہ کی لڑکیاں کنیزیں ہو گئیں؟ یزید نے جواب دیا: ''اے میرے بھائی کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا۔''

فاطمہ نے کہا: ''بخدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی۔''

یزید نے کہا: ''تم لوگوں کا جتنا گیا ہے، اس سے کہیں زیادہ میں تمہیں دوں گا۔''

چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا، اس سے دگنا تگنا دے دیا گیا۔''

یزید کا دستور تھا روز صبح و شام کے کھانے میں علی بن حسین علیہ السلام کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کم سن بچے عمرو کو بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا: ''تو اس سے لڑے گا'' اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے بچپنے کے بھولپن سے جواب دیا: ''یوں نہیں ایک چھری مجھے دو اور ایک چھری اسے دو، پھر ہماری لڑائی دیکھو۔''

یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسن رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور کہا: ''سانپ کا بچہ بھی سانپ ہوتا ہے۔''

یزید کی زود پشیمانی

یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں ان کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا ''کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا۔ حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ رکھتا۔ ان کے مطالبہ پر غور کرتا، اگرچہ اس سے میری قوت میں کمی ہی کیوں نہ ہو جاتی، لیکن اس سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر حسین علیہ السلام کو جس نے لڑائی پر مجبور کیا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا تھا میرے ساتھ اپنا معاملہ طے کر لیں گے یا مسلمانوں کی سرحد پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے، مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بھی بات نہیں مانی اور قتل کر دیا۔ ان کے قتل سے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر، خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!''

اہل بیت کو رخصت کرنا

جب اہل بیت کو مدینے بھیجنے لگا، تو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ اور کہا:

''ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت، واللہ! اگر میں حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتا اور وہ

میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے، تو میں اسے منظور کر لیتا۔ میں ان کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا۔ اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی، لیکن خدا کو ہی منظور تھا، جو ہو چکا۔ دیکھو! مجھ سے برابر خط وکتابت کرتے رہنا جو ضرورت بھی پیش آئے مجھے خبر دینا۔"

بعد میں سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا برابر کہا کرتی تھیں:

"میں نے کبھی کوئی ناشکرا انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا۔"

اہل بیت کی فیاضی

یزید نے اہل بیت کو اپنے معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے رستہ بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے، تو سیدہ زینب بنت علی رضی اللہ عنہما اور فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اُسے بھیجے اور کہا:

"یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے، ہمارے پاس کچھ نہیں کہ تمہیں دیں۔"

اس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلایا!

"واللہ! میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال سے تھا۔"

مدینہ میں ماتم

اہل بیت کے آنے سے پہلے مدینہ میں یہ جاں گسل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل آئیں۔ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم ماذا فعلتم وانتم اٰخر الاُمم

کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری اُمت ہو

بعترتی وباھلی بعد مفتقدنی منھم اساری ومنھم ضُرّ جوابدم

تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں۔

مرثیہ

سیدنا حسین علیہ السلام کی شہادت پر بہت سے لوگوں نے مرثیے کہے۔ سلیمان بن قتیبہ کا مرثیہ بہت زیادہ مشہور ہوا

مررت علی ابیات آل محمد فلم ارھا کعھد ھلیوم حلت

میں خاندان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں کی طرف سے گزرا، مگر وہ کبھی نہ روئے تھے، جیسے اس دن جب ان کی حرمت توڑی گئی

فلایبعد اللہ الدیار و اھلھا وان اصبحت منھم بزعمی تخلت

خدا ان مکانوں اور مکینوں کو دور نہ کرے، اگرچہ وہ اب اپنے مکینوں سے خالی پڑے ہیں

وان قتیل الطف من آل ھاشم اذل رقاب المسلمین فذلت

کربلا میں ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں کی گردنیں ذلیل کر ڈالیں

و کانوا رجاء ثم صاروا رزیۃ لقد عظمت تلك الرزایا وجلت

مقتولوں سے دنیا کی امیدیں وابستہ تھیں، مگر وہ مصیبت بن گئے۔ آہ یہ مصیبت کتنی بڑی اور سخت ہے

لم تران الارض اصبحت مریضۃ لفقد حسین والبلاد اقشعرت

کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین حسین علیہ السلام کے فراق میں بیمار ہے اور دنیا کانپ رہی ہے

وقد اعوات تبکی السماء مفقدہ انجمھا ناحت علیہ وسلت

آسمان بھی اس کی جدائی پر روتا ہے۔ ستارے بھی ماتم اور سلام بھیج رہے ہیں۔ [1]

[1] البدایہ و النہایہ، ج 8، ص 211

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

جہاندیدہ سیاستدان، عظیم جرنیل، فہم وفراست، عزم واستقلال، ذکاوت وفطانت اور فصاحت وبلاغت کے پیکر، ماہر سفارت کار، بہادر سپاہی اعلیٰ پائے کے مدبر اور کامیاب گورنر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں کئی معرکوں میں قیادت کے فرائض سرانجام دیئے۔

مرتدین کے خلاف جنگوں اور شام اور فلسطین کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا، مصر کے فاتح بھی وہی تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے عمرو رضی اللہ عنہ آپ کی عقل ودانش اور فہم وفراست دیکھتا ہوں تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ آپ کو سب سے پہلے اسلام میں داخل ہونا چاہیے تھا۔''

تاریخ پیدائش	ہجرت سے 47 سال قبل 576ء
تاریخ وفات	یکم شوال 43ھ
وفات کے وقت عمر	90 سال
بحیثیت گورنر مصر مدت	20ھ تا 25ھ ...... 38ھ تا 48ھ

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی شجاعت، تدبر، فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں، مصر کی فتح سراسر انہی کے تدبر و قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کارفرما تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مؤرخین نے اتفاق کیا ہے کہ عرب کی سیاست تین سروں میں جمع ہوگئی تھی۔ عمرو بن العاص، معاویہ بن ابوسفیان، زیادہ بن ابیہ۔ اتفاق سے یہ تینوں سر مل کر ایک ہوگئے۔ انہوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اس طرف پھیر دیا، جدھر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست نے شکست نہیں دی تھی، اس میں سب سے زیادہ کارفرما دماغ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا تھا۔ ایک ایسے سیاسی مدبر نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا تھا، ذیل کی سطروں میں اس کی تفصیل ملے گی۔

ایک عجیب سوال

جب بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور عرب کے اس دانشمند کو زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی، تو اس نے اپنی فوج خاصہ کے افسر اور سپاہی طلب کیے" لیٹے لیٹے ان سے سوال کیا۔

"میں تمہارا کیسا ساتھی تھا؟" "سبحان اللہ! آپ نہایت ہی مہربان آقا تھے، دل کھول کر دیتے تھے۔ ہمیں خوش رکھتے تھے، یہ کرتے تھے، وہ کرتے تھے۔" وہ بڑی سرگرمی سے جواب دینے لگے۔

ابن عاص نے یہ سن کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں یہ سب کچھ صرف اس لیے کرتا تھا کہ تم مجھے موت کے منہ سے بچاؤ گے، کیونکہ تم سپاہی تھے اور میدان جنگ میں اپنے سردار کے لیے سپر تھے، لیکن یہ دیکھو، موت سامنے کھڑی ہے اور میرا کام تمام کر دینا چاہتی ہے، آگے بڑھو اور مجھ سے دور کر دو۔'

سب ایک دوسرے کا حیرت سے منہ تکنے لگے۔ پریشان تھے کیا جواب دیں؟ اے ابو

عبداللہ! دیر کے بعد انہوں نے کہا۔ "واللہ! ہم آپ کی زبان سے ایسی فضول بات سننے کے ہرگز متوقع نہ تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے۔"

انہوں نے آہ بھری "واللہ! یہ حقیقت میں خوب جانتا ہوں۔" انہوں نے حسرت سے کہا۔ واقعی تم مجھے موت سے ہرگز نہیں بچا سکتے، لیکن اے کاش! یہ بات پہلے سے سوچ لیتا۔ اے کاش میں نے تم میں سے کوئی ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لیے نہ رکھا ہوتا۔ ابن ابی طالب (علی رضی اللہ عنہ) کا بھلا ہو۔ کیا ہی خوب کہہ گیا ہے آدمی کی سب سے بڑی محافظ خود اس کی موت ہے۔" [1]

دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے

راوی کہتا ہے ہم عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ وہ موت کی سختیوں میں مبتلا تھے، اچانک دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ان کے بیٹے عبداللہ نے کہا آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو یہ بشارتیں نہیں دے چکے ہیں؟" انہوں نے بشارتیں سنائیں لیکن ابن عاص نے روتے ہوئے سر سے اشارہ کیا، پھر ہماری طرف منہ پھیرا اور کہنے لگے:

زندگی کے تین دور

میرے پاس سب سے افضل دولت "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی شہادت ہے۔" مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں۔" ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ میں کسی کی اپنے دل میں دشمنی نہیں رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح قابو پا کر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر اس حالت میں میں مر جاتا، تو یقیناً جہنمی مرتا۔"

پھر ایک وقت آیا، جب خدا نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرتا ہوں۔" آپ نے دستِ مبارک دراز کیا، مگر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا، عمرو تجھے کیا ہوا؟" میں عرض کیا: ایک شرط چاہتا ہوں" فرمایا "کونسی شرط؟" میں نے عرض کیا: "یہ شرط کہ میری تشفی ہو جائے۔" اس پر ارشاد ہوا۔" اے عمرو! کیا تجھے معلوم کہ اسلام اپنے سے پہلے تمام گناہ مٹا دیتا ہے۔ ہجرت بھی مٹا دیتی ہے، حج بھی مٹا دیتا ہے۔" (یہ ابنِ عاص کی مشہور روایت ہے جسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے۔)

[1] طبقات ابن سعد، ج4، ص:260-259

اس وقت میں نے اپنا یہ حال دیکھا کہ نہ تو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا اور نہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کی عزت میری نگاہ میں تھی۔ میں سچ کہتا ہوں اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے تو میں بتا نہیں سکتا، کیونکہ انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر میں اس حالت میں مر جاتا، تو میرے جنتی ہونے کی پوری امید تھی۔"

"پھر ایک زمانہ آیا، جس میں ہم نے بہت سے اونچ نیچ کام کیے۔ میں نہیں جانتا اب میرا کیا حال ہوگا؟"

مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا

جب میں مروں، تو میرے ساتھ رونے والیاں نہ جائیں، نہ آگ جائے۔ دفن کے وقت مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ میری قبر سے فارغ ہو کر اس وقت تک میرے قریب رہنا جب تک جانور ذبح کر کے ان کا گوشت تقسیم نہ ہو جائے کیونکہ تمہاری موجودگی سے مجھے اُنس حاصل ہوگا۔ پھر میں جان لوں گا کہ اپنے پروردگار کو کیا جواب دوں؟" [1]

بگڑتا زیادہ ہوں بنتا کم ہوں

ہوش وحواس آخری وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن خدیج عیادت کو گئے، تو دیکھا نزع کی حالت ہے، پوچھا کیا حال ہے؟" آپ نے جواب دیا: پگھل رہا ہوں، بگڑتا زیادہ ہوں، بنتا کم ہوں، اس صورت میں بوڑھے کا بچنا کیوں کر ممکن ہے۔" [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال وجواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عیادت کو آئے، سلام کیا، طبیعت پوچھی، کہنے لگے: "میں نے اپنی دنیا کم بنائی اور دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اسے بگاڑا ہوتا جسے سنوارا ہے اور اسے سنوارا ہوتا جسے بگاڑا، تو یقیناً بازی لے جاتا۔ اگر مجھے اختیار ملے، تو ضرور اسی کی آرزو کروں۔ اگر بھاگنے سے بچ سکوں، تو ضرور بھاگ جاؤں۔ اس وقت تو میں منجنیق کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہو رہا ہوں، نہ اپنے ہاتھوں کے زور سے اوپر چڑھ سکتا ہوں نہ پیروں کی قوت سے نیچے اتر سکتا ہوں۔ اے میرے بھتیجے مجھے کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اٹھاؤں۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے ابوعبداللہ! اب وقت کہاں؟ آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا

[1] طبقات ابن سعد، ج 4، ص 259

[2] عقد الفرید و ابن سعد ج 4، ص 260

بن کر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لیے کہیں تو میں حاضر ہوں، جو مقیم ہے، وہ سفر کا کیونکر یقین کر سکتا ہے؟

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہ جواب سن کر بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے کیسی سخت گھڑی ہے۔ کچھ اوپر اسی برس کا سن اے ابن عباس! تو مجھ کو پروردگار کی رحمت سے ناامید کرتا ہے، الٰہی! مجھے خوب تکلیف دے، یہاں تک کہ تیرا غصہ دور ہو جائے اور تیری رضامندی لوٹ آئے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوعبداللہ! آپ نے جو چیز لی تھی، وہ تو نئی تھی اور اب جو دے رہے ہو، وہ چیز پرانی ہے، یہ کیسے ممکن ہے؟ اس پر وہ آزردہ خاطر ہو گئے، ابن عباس رضی اللہ عنہ! مجھے کیوں پریشان کرتا ہے؟ جو بات کرتا ہوں اسے کاٹ دیتا ہے۔

موت کی کیفیت

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے، مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جن کے موت کے وقت حواس درست ہوتے ہیں، مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے۔ لوگوں کو یہ بات یاد تھی، جب وہ خود اس منزل پر پہنچے، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ مقولہ یاد دلایا۔

ایک روایت میں ہے کہ خود ان کے بیٹے نے سوال کیا تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ٹھنڈی سانس لی۔ جان من! انہوں نے جواب دیا۔ موت کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔ موت اس وقت صرف ایک اشارہ کر سکتا ہوں، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان زمین پر ٹوٹ پڑا ہے اور میں دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں۔ [1]

گویا میری گردن پر رضوی پہاڑ رکھا ہے، گویا میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے بھر گئے ہیں، گویا میری سانس سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے۔ [2]

دولت سے بے زاری

اسی حال میں انہوں نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا: ''اسے لے لو۔'' آپ کے بیٹے عبداللہ کا زہد مشہور ہے، انہوں نے کہا۔ ''مجھے اس کی ضرورت نہیں'' عمرو نے کہا: ''اس میں دولت ہے۔'' عبداللہ نے پھر انکار کیا۔ اس پر ہاتھ مل کر کہنے لگے: کاش! اس میں سونے کی بجائے بکری کی مینگنیاں ہوتیں۔''

---

[1] الکامل، ج: 1 [2] ابن سعد، ج: 4، ص: 260

دُعا

جب بالکل آخری وقت آ گیا، تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے، مٹھیاں کس لیں اور دعا کے لیے یہ کلمات زبان پر تھے۔

''الٰہی! تو نے حکم دیا اور ہم نے حکم عدولی کی۔ الٰہی! تو نے منع کیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ الٰہی میں بے قصور نہیں ہوں کہ میں معذرت کروں۔ طاقت ور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں۔ اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوگی، تو ہلاک ہو جاؤں گا۔'' [1]

اس کے بعد تین مرتبہ کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

---

[1] ابن سعد، ج:4، ص:260، الکامل

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

عالی دماغ سیاستدان، تجربہ کار جرنیل، کامیاب حکمران، فہم وفراست اور حکمت ودانائی کا حسین امتزاج۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے۔

''تم قیصر وکسریٰ کی دانائی، سیاست اور فہم وفراست کا تذکرہ کرتے ہو، حالانکہ تمہارے درمیان معاویہ جیسا دانشمند، زیرک اور مدبر انسان موجود ہے۔''

شام کی فتوحات میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے والے سپہ سالار۔

نام	امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
کنیت	ابوعبدالرحمٰن
پیدائش	بعثت نبوی سے پانچ سال قبل 610ء
قبول اسلام کے وقت عمر	26 سال 9 ہجری
شام کے گورنر بنتے وقت عمر	37 سال
بحیثیت گورنر مدت	19 ہجری تا 36 ہجری...... 17 سال
حکمران بنتے وقت عمر	59 سال 41 تا 60 ہجری...... 20 سال
تاریخ وفات	60 ہجری 680ء
وفات کے وقت عمر	78 سال

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی شخصیت تعارف سے بے نیاز ہے۔عرب کا عزم جزم، عقل، تدبر پورے تناسب سے اس دماغ میں جمع ہو چکا تھا۔عربی کتب ادب و تاریخ ان کی تدبیر و سیاست کے واقعات سے لبریز ہیں۔تقریباً پوری زندگی امارت و حکومت میں بسر ہوئی اور ہمیشہ ان کی سیاست کامیاب رہی۔وہ اس عہد کے ایک پورے سیاسی آدمی تھے۔

ایک عجیب عزم

جب مرض نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور لوگوں میں ان کی موت کے چرچے ہونے لگے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فتنہ و فساد کا اندیشہ ہوا۔ولی عہد یزید، جسے جبراً بزور شمشیر ولی عہد منوایا گیا، دارالخلافہ سے دور تھا اور ابتری پیدا ہو جانے کا قوی احتمال تھا، انہوں نے فوراً اپنے تیمارداروں سے کہا میری آنکھوں میں خوب سرمہ لگاؤ، سر میں تیل ڈالو' حکم کی تعمیل کی گئی، سرمہ اور روغن نے بیمار چہرے میں تازگی پیدا کر دی پھر انہوں نے حکم دیا

> ''میرا بچھونا اونچا کر دو، مجھے بٹھا دو، میرے پیچھے تکیے لگاؤ۔'' اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی پھر کہا ''لوگوں کو حاضری کی اجازت دو۔سب آئیں اور کھڑے کھڑے سلام کر کے رخصت ہو جائیں۔کوئی بیٹھنے نہ پائے۔''

لوگ اندر آنا شروع ہوئے، جب وہ سلام کر کے باہر جاتے، تو آپس میں کہتے: کون کہتا ہے خلیفہ مر رہے ہیں؟ وہ تو نہایت تروتازہ اور تندرست ہیں۔'' جب سب لوگ چلے گئے، تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھا

وتجلدی للشامتین اریھم　　　انی لریب الدھر لا تضعضع

شماتت کرنے والوں کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر نہیں ہونے دیتا۔میں انہیں ہمیشہ یہی دکھاتا ہوں کہ زمانے کے مصائب مجھے مغلوب نہیں کر سکتے۔

دنیا کی بے ثباتی

دورانِ علالت قریش کی ایک جماعت عیادت کو آئی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا: ''دنیا آہ دنیا'' اس کے سوا کچھ نہیں جسے ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کر چکے ہیں۔ خدا کی قسم ہم اپنی جوانی کے عالم میں دنیا کی بہار کی طرف دوڑے اور اس کے سبب مزے لوٹے، مگر ہم نے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پلٹا کھایا بالکل کایا پلٹ کردی۔ ایک ایک کر کے تمام گرہیں کھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ دنیا نے ہم سے بے وفائی کی۔ ہماری جوانی چھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنا دیا۔ آہ یہ دنیا کتنی خراب جگہ ہے، یہ دنیا کیسا برا مقام ہے۔ [1]

آخری خطبہ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیماری میں آخری خطبہ یہ دیا:

''اے لوگو! میں اس کھیتی کی بالی ہوں جو کٹ چکی ہے۔ مجھے تم پر حکومت ملی تھی۔ میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے، وہ مجھ سے برے ہوں گے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے اگلے حکام مجھ سے اچھے تھے۔'' [2]

حسرت

جب وقت آخر ہوا تو کہا مجھے بٹھا دو، چنانچہ بٹھا دیئے گئے۔ دیر تک ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے۔ پھر رونے لگے اور کہا

''معاویہ! اپنے رب کو اب یاد کرتا ہے، جب کہ بڑھاپے نے کسی کام کا نہیں رکھا اور جسم کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں۔ اس وقت کیوں خیال نہ آیا، جب شباب کی ڈالی تر و تازہ اور ہری بھری تھی۔''

پھر چلا کر روئے اور دعا کی: اے رب! سخت دل، گناہ گار بوڑھے پر رحم کر، الٰہی اس کی ٹھوکریں معاف کر دے، اس کے گناہ بخش دے، اپنے وسیع علم کو اس کے شامل حال کر، جس نے تیرے سوا کسی سے امید نہیں کی، تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا۔ [3]

بیٹیوں سے خطاب

تیمارداری ان کی دو لڑکیاں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہیں بغور دیکھ کر کہا: ''تم ایک ڈانواں

[1] احیاء العلوم، ج: 6 [2] احیاء العلوم، ج: 4 [3] احیاء العلوم، ج: 4

ڈول وجود کو کروٹیں بدلوار ہی ہو۔اس نے دنیا بھر کے خزانے جمع کر لیے، لیکن وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔پھر یہ شعر پڑھا

لقد سعیت لکم فی سعی ذی نصب　　وقد کفیتکم التطواف والرحلا

میں نے تمہارے لئے محنت سے کوشش کی اور در بدر کی ٹھوکریں کھانے سے بے پرواہ کر دیا۔ [1]

اپنی فیاضی کی یاد

وفات سے پہلے اشب بن رمیلہ کے یہ شعر پڑھے جو اس نے قباح کی مدح میں کہے تھے

اذا مات الجود و انقطع الندی　　من الناس الامن قلیل مصرد

تیری موت کے ساتھ سخاوت اور فیاضی بھی مر جائے گی

وردت اکف السائلین وامسکوا　　من الدین والدنیا بخلف مجدد

سائلوں کے ہاتھ لوٹا دیئے جائیں گے اور دین و دنیا کی محرومیاں ان کے انتظار میں ہوں گی

یہ سن کر لڑکیاں چلا اٹھیں: ہرگز نہیں۔ امیر المومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے۔" انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف یہ شعر پڑھا دیا۔

واذا المنیة انشبت اظفارها　　الفیت کل تمیمة لاتنفع

جب موت اپنے ناخن گاڑ دیتی ہے، تو کوئی تعویذ بھی نفع نہیں پہنچاتا

نصیحت

پھر بے ہوش ہو گئے تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی اور اپنے عزیزوں کو دیکھ کر کہا: اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا، کیونکہ جو ڈرتا ہے، خدا اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اس شخص کے لیے کوئی پناہ نہیں، جو خدا سے بے خوف ہے۔" [2]

یزید کی آمد

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حالت نازک سے قاصد کے ذریعہ ولی عہد (یزید) کو مطلع کیا گیا، وہ فوراً روانہ ہوا۔ پہنچتے پہنچتے حالت اور بھی ابتر ہو چکی تھی۔ اس نے باپ کو پکارا، مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا اور یہ شعر پڑھے

لو عاش حی الدنیا المعاش لما　　الناس لاعا جزوولا کل

---

[1] طبری، ج 6، ص 182

[2] طبری، ج 2، ص 182

اگر کوئی آدمی بھی ہمیشہ دنیا میں زندہ رہتا، تو بلاشک آدمیوں کا امام زندہ رہتا۔ وہ نہ عاجز ہے نہ کمزور ہے

لحول لقلب والا ریب ولن   یدفع وقت المنیة الحیل

وہ بڑا ہی عاقل و مدبر، فہیم، لیکن موت کے وقت کوئی تدبیر کسی کام نہیں آتا

یزید سے خطاب

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

''اے فرزند! مجھے جس بات پر خدا سے سب سے زیادہ خوف ہے، وہ تجھ سے میرا برتاؤ ہے۔ جانِ پدر! ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا۔ جب آپ ضروریات سے فارغ ہوتے یا وضو کرتے تو میں دستِ مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپ نے میرا کرتہ دیکھا، وہ مونڈھے سے پھٹ گیا تھا۔ فرمایا ''معاویہ تجھے کرتہ پہنا دوں؟''

میں نے عرض کیا: ''میں آپ پر قربان! ضرور ضرور!'' چنانچہ آپ نے کرتہ عنایت کیا، مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا، وہ میرے پاس اب تک موجود ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بال ترشوائے میں نے تھوڑے سے بال اور کترے ہوئے ناخن اٹھا لیے تھے، وہ بھی آج تک میرے پاس شیشی میں رکھے ہوئے ہیں۔ دیکھو جب میں مر جاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور نتھنوں میں رکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرتہ بچھا کر اس پر لٹانا اور کفن پہنانا اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے، تو وہ یہی ہے۔ [1]

سکراتِ موت

سکرات کے عالم میں یہ شعر زبان پر جاری تھا۔

فهل من خالد اما هلكنا   وهل بالموت يا للناس عار

اگر ہم مر جائیں گے، تو کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہے گا؟ کیا موت کسی کے لیے عیب ہے؟ [2]

وفات

عین وفات کے وقت یہ شعر پڑھے

[1] استیعاب، عقد الفرید   [2] استیعاب

الا لیتنی لمه اعن فی لملك ساعته ولم لك فی اللذات اعشی لنوا ظر

کاش! میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی۔ کاش! لذتیں حاصل کرنے میں اندھا نہ ہوتا۔

وکت کذی طوین علشق مبلغة لیلی حتی زار رضتد لمقابر

کاش! میں اس فقیر کی طرح ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہے۔ [2]

یزید کا مرثیہ

یزید بن معاویہ نے مرثیہ کے یہ شعر کہے تھے۔

جاء لبرید بقرطاس یخب به فاوجس لقلب من قرطاسهٖ فرعا

قاصد خط لیے دوڑا ہوا آیا، تو قلب خوف زدہ ہو گیا

قلنا لك لویل ماذا فی کتابکم قللوا الخلیفة امسی مثبتا وجعا

ہم نے کہا، تیری ہلاکت! خط میں کیا ہے؟ کہنے لگا خلیفہ سخت بیماری اور تکلیف میں ہے۔

فمادت الارض او کاوتمیدبنا کان اغبرمن اَرْکَانِها نقلعا

قریب تھا زمین ہمیں لے کر جھک جائے، گویا اس کا کوئی ستون اکھڑ گیا ہے

اَودی بن مهند اَودی لمجتیعه کلنا جمیعاً قطلا یسیران معاء

ہند کا لڑکا (معاویہ) مر گیا اور عزت بھی مر گئی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے، اب بھی دونوں ساتھ جا رہے ہیں۔

لایرقع لناس ما اومی وان جهدوا أن یرقعوه ولا یوهون مارقعا

جو گر رہا ہے اسے آدمی لاکھ کوشش کریں اٹھا نہیں سکتے اور جو اٹھ رہا ہے، اسے لاکھ چاہیں، گرا نہیں سکتے

أغرابلج یستقی لغملبهٖ لوقارع لناس عن احلامهم قرعا

مبارک اور خوبصورت جس کے واسطے سے بارانِ رحمت طلب کیا جاتا ہے۔ اگر لوگوں کی عقلوں کا امتحان ہو تو وہ سب پر بازی لے جائے گا۔

یزید کا خطبہ

تین دن یزید گھر سے نہیں نکلا۔ پھر مسجد میں آیا اور حسب ذیل خطبہ دیا۔

---

[1] عقد الفرید

''تمام ستائش اس خدا کے لیے ہے جو اپنی مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے، کسی کو عزت دیتا ہے، کسی کو ذلت دیتا ہے۔ لوگو! معاویہ خدا کی رسیوں میں ایک رسی تھا، جب تک خدا نے چاہا، اسے دراز کیا۔ پھر اسے اپنی مشیت سے کاٹ ڈالا۔ معاویہ اپنے پیش روؤں سے کم تر اور بعد والوں سے بہتر تھا۔ میں اسے پاک ثابت کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہے۔ اگر اسے درگزر کرے، تو یہ اس کی رحمت ہے۔ اگر اسے عذاب دے، تو یہ اس کے گناہ کا عذاب ہوگا۔ میں اس کے بعد برسرِ حکومت آیا۔ نہ سرکش ہوں نہ کمزور ہوں، جلد بازی نہ کرو۔ اگر خدا کوئی بات ناپسند کرتا ہے، بدل ڈالتا ہے۔ اگر پسند کرتا ہے، تو آسان کر دیتا ہے۔''

خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ

دشمن جب محلّہ چھوڑ دے یا شہر سے نکل جائے، تو سکون مل جائے، لیکن مسلمانوں نے جب مکہ چھوڑا اور تمام جائدادیں کفار کے حوالے کر کے مکہ سے 300 میل دور مدینہ میں جا آباد ہوئے، تو کفار پہلے سے بھی زیادہ بے قرار ہو گئے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ہجرت مدینہ سے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان الگ رہ کر تیاری کریں گے۔ اہلِ عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیں گے اور جب یہ قطرہ دریا بن گیا تو ہماری سرداری کا جاہ وجلال، اسلام کے سیلاب حق کے سامنے خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے گا۔

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو پہل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ قریش مکہ نے اپنی دماغی پریشانیوں کے ماتحت خود ہی آ بیل مجھے مار کی روش اختیار کر لی تھی۔ جب بدر واحد کے میدانوں میں ان کے تیغ آزماؤں کا زعم باطل بھی ختم ہو گیا تو وہ سازش کے جال بھی بچھانے لگے۔ انہوں نے عضل اور قارہ کے سات آدمیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا اور کہلوایا: ''اگر آپ ہمیں چند مبلغ عنایت فرما دیں تو ہمارے تمام قبیلے مسلمان ہو جائیں گے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں کل دس بزرگ صحابہ کا وفد ان کے ساتھ بھیج دیا۔

ایک گھاٹی میں کفار کے دو سو مسلح جوان مسلمانوں کے اس تبلیغی وفد کا انتظار کر رہے تھے۔ جب مبلغین اسلام یہاں پہنچے، تو بے نیام تلواروں نے بجلی بن کر اُن کا استقبال کیا۔ مسلمان اگرچہ اشاعت قرآن کے لیے گھروں سے نکلے تھے، مگر تلوار سے خالی نہ تھے۔ اس خطرہ کے ساتھ ہی دو سو کے مقابلے میں دس تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ آٹھ صحابی مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور خبیب رضی اللہ عنہ بن عدی اور زید بن دسنہ رضی اللہ عنہ دو شیروں کو کفار نے محاصرہ کر کے گرفتار کر لیا۔ سفیان ہذلی انہیں مکہ لے گیا اور یہ دونوں صالح مسلمان نقد قیمت پر مکہ کے درندوں کے ہاتھ فروخت کر دیئے گئے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر کے گھر ٹھہرایا گیا اور پہلا حکم یہ دیا گیا کہ انہیں روٹی دی جائے اور نہ پانی۔ حارث بن عامر نے حکم کی تعمیل کی اور کھانا بند کر دیا گیا۔

ایک دن حارث کا نو عمر بچہ چھری سے کھیلتا ہوا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس مردِ صالح نے جو کئی روز سے بھوکے اور پیاسے تھے۔ حارث کے بچہ کو گود میں بٹھا لیا اور چھری اس کے ہاتھ سے لے کر زمین پر رکھ دی۔ جب ماں نے پلٹ کر دیکھا، تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ چھری اور بچہ لیے بیٹھے تھے۔ عورت چونکہ مسلمانوں کے کردار سے ناواقف تھی۔ یہ حال دیکھ کر لڑکھڑا گئی اور بے تابانہ چیخنے لگی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے عورت کی تکلیف محسوس کی، تو فرمایا بی بی! تم مطمئن رہو، میں بچے کو ذبح نہیں کروں گا۔ مسلمان ظلم نہیں کیا کرتے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی خبیب رضی اللہ عنہ نے گود کھول دی۔ معصوم بچہ اٹھا اور دوڑ کر ماں سے لپٹ گیا۔

قریش نے چند روز انتظار کیا، جب فاقہ کشی کے احکام اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے، تو قتل کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا، کھلے میدان میں ایک ستون نصب تھا اور یہ اپنی بے بسی پر رو رہا تھا، اس کے چاروں طرف بے شمار آدمی ہتھیار سنبھالے کھڑے تھے۔ بعض تلواریں چمکا رہے تھے، بعض نیزے تان رہے تھے۔ بعض کمان میں تیر جوڑ کر نشانہ ٹھیک کر رہے تھے کہ آواز آئی، خبیب رضی اللہ عنہ آ رہا ہے،'' مجمع میں ایک شورِ محشر بپا ہو گیا۔ لوگ ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ بعض لوگوں نے مستعدی سے ہتھیار سنبھالے اور حملہ کرنے اور خون بہانے کے لیے تیار ہو گئے۔

مردِ صالح خبیب رضی اللہ عنہ قدم بہ قدم تشریف لائے اور انہیں صلیب کے نیچے کھڑا کر دیا گیا۔ ایک شخص نے انہیں مخاطب کیا اور کہا: خبیب رضی اللہ عنہ! ہم تمہاری مصیبت سے دردمند ہیں۔ اگر اب بھی اسلام چھوڑ دو، تو تمہاری جاں بخشی ہو سکتی ہے۔'' حضرت خبیب رضی اللہ عنہ خطاب کرنے والے کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا ''جب اسلام ہی باقی نہ رہا، تو پھر جان بچانا بے کار ہے۔'' اس جواب کی ثابت قدمی بجلی کی طرح پرشور بھیڑ پر گری۔ مجمع ساکت ہو گیا اور لوگ دم بخود رہ گئے۔ خبیب رضی اللہ عنہ کوئی آخری آرزو ہے، تو بیان کرو۔'' ایک شخص نے کہا۔ کوئی آرزو نہیں، دو رکعت نماز ادا کر لوں گا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بہت اچھا، فارغ ہو جاؤ۔'' ہجوم سے آوازیں آئیں۔

پھانسی گڑی ہوئی ہے، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اس کے نیچے کھڑے ہیں تا کہ اللہ کی بندگی کا حق ادا کریں۔ خلوص و نیاز کا اصرار ہے کہ زبان شاکر جو حمدِ حق میں کھل چکی ہے، اب کبھی بند نہ ہو۔ دستِ نیاز جو بارگاہ کبریا میں بندھ چکے ہیں، اب کبھی نہ کھلیں۔ رکوع میں جھکی ہوئی کمر کبھی سیدھی نہ ہو، سجدے میں گرا ہوا سر کبھی خاکِ نیاز سے نہ اٹھے۔ ہر بن مو سے اس قدر آنسو بہیں کہ عبادت گزار کا جسم تو خون سے خالی ہو جائے، مگر اس کے عشق و محبت کا چمن اس انوکھی آبیاری سے رشک

فردوس بن جائے۔ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کا دل محبت نواز عشق و نیاز کی لذتوں میں ڈوب چکا تھا کہ عقل مصلحت کیش نے انہیں روکا اور ایک ایسی آواز میں جسے صرف شہیدوں کی روح ہی سن سکتی ہے۔ انہیں روح اسلام کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ اگر نماز زیادہ لمبی کرو گے تو کافر یہ سمجھے گا کہ مسلمان موت سے ڈر گیا ہے۔ اس پیغام حق کے ساتھ ہی خبیب رضی اللہ عنہ نے دائیں طرف گردن موڑ دی اور کہا ''السلام علیکم ورحمة اللہ'' کفار نہیں بولے، مگر ان کی کھنچی ہوئی تلوار نے جواب دیا ''وعلیکم السلام ورحمة اللہ'' اب آپ نے بائیں طرف گردن موڑی اور کہا ''السلام علیکم ورحمة اللہ'' کفار اب بھی خاموش رہے مگر نیزوں کی انیاں اور تیروں کی زبانیں رو رو کر پکاریں۔

''اے مجاہد اسلام! وعلیکم السلام ورحمة اللہ''

مردِ مجاہد خبیب رضی اللہ عنہ سلام پھیر کر صلیب کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ کفار نے انہیں پھانسی کے ستون کے ساتھ جکڑ دیا اور پھر نیزوں اور تیروں کو دعوت دی کہ وہ آگے بڑھیں اور ان کے صدق و مظلومیت کا امتحان لیں۔ ایک شخص آگے آیا اور اس نے خبیب مظلوم کے جسمِ پاک کے مختلف حصوں پر نیزے سے ہلکے ہلکے چرکے لگائے اور وہی خون اطہر جو چند ہی لمحے پیشتر حالت نماز میں شکر و سپاس کے آنسو بن کر آنکھوں سے بہا تھا، اب زخموں کی آنکھ سے شہادت کے مشک بو قطرے بن کر ٹپکنے لگا۔ پیکر صبر خبیب رضی اللہ عنہ کے دردناک مصائب کا تصور کیجیے۔ آپ ستون کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں۔ کبھی ایک تیر آتا ہے اور دل کے پار ہو جاتا ہے۔ کبھی نیزہ لگتا ہے اور سینے کو چیر دیتا ہے، ان کی آنکھیں آتے ہوئے تیروں کو دیکھ رہی ہیں۔ ان کے عضو عضو سے خون بہہ رہا ہے۔ درد و تکلیف کی اس قیامت میں بھی ان کا دل اسلام سے نہیں ٹلتا۔''

ایک اور شخص آگے آیا اور اس نے سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کے جگر پر نیزے کی انی رکھ دی۔ پھر اس قدر دبایا کہ کمر کے پار ہو گئی۔ یہ جو کچھ ہوا خبیب رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ حملہ آور نے کہا۔ اب تو تم بھی پسند کرو گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں لگ جائیں اور تم اس مصیبت سے چھوٹ جاؤ۔'' پیکر صبر خبیب رضی اللہ عنہ نے جگر کے چرکے کو حوصلہ مندی سے برداشت کر لیا، مگر یہ زبان کا گھاؤ برداشت نہ ہوا۔ اگرچہ زبان کا خون نچڑ چکا تھا، مگر جوشِ ایمان نے اس خشک ہڈی میں بھی تاب گویائی پیدا کر دی اور آپ نے جواب دیا ''اے ظالم! خدا جانتا ہے کہ مجھے جان دے دینا پسند ہے، مگر یہ پسند نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔'' نماز کے بعد خبیب رضی اللہ عنہ پر جو حالتیں گزریں، آپ بے ساختہ شعروں میں انہیں ادا فرماتے رہے، ان اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

1. لوگ انبوہ در انبوہ میرے گرد کھڑے ہیں، قبیلے جماعتیں اور جتھے، یہاں سب کی حاضری لازم ہوگئی ہے۔

2. یہ تمام اجتماع اظہار عداوت کے لیے ہے۔ یہ سب لوگ میرے خلافِ جوش و انتقام کی نمائش کر رہے ہیں اور مجھے یہاں موت کی کھونٹی سے باندھ دیا گیا ہے۔

3. ان لوگوں نے یہاں اپنی عورتیں بھی بلا رکھی ہیں اور بچے بھی، اور ایک مضبوط اور اونچے ستون کے پاس کھڑا کر دیا گیا ہے۔

4. یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں اسلام سے انکار کر دوں، تو یہ مجھے آزاد کریں گے مگر میرے لیے ترکِ اسلام سے قبولِ موت زیادہ آسان ہے، اگرچہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، مگر میرا دل بالکل پرسکون ہے۔

5. میں دشمن کے سامنے گردن نہیں جھکاؤں گا، میں فریاد نہیں کروں گا، میں خوف زدہ نہیں ہوں گا، اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ اب اللہ کی طرف جا رہا ہوں۔

6. میں موت سے نہیں ڈر سکتا، اس لیے کہ موت بہر حال آنے والی ہے۔ مجھے صرف ایک ہی ڈر ہے اور وہ دوزخ کی آگ کا ڈر ہے۔

7. مالک عرش نے مجھ سے خدمت لی ہے اور مجھے صبر و ثبات کا حکم دیا ہے۔ اب کفار نے زدو کوب سے میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے اور میری تمام امیدیں ختم ہوگئی ہیں۔

8. میں اپنی عاجزی، بے وطنی اور بے بسی کی اللہ سے فریاد کرتا ہوں۔ نہیں معلوم، میری موت کے بعد ان کے کیا ارادے ہیں۔ کچھ بھی ہو، جب میں راہِ خدا میں جان دے رہا ہوں تو یہ جو کچھ بھی کریں گے، مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

9. مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ میرے گوشت کے ایک ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے گا۔ اللہ! جو کچھ آج میرے ساتھ ہو رہا ہے، اپنے رسول ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچا دے۔

سعید بن عامر، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عامل تھے۔ بعض اوقات آپ کو بیٹھے بیٹھے دورہ پڑتا تھا اور آپ وہیں بیہوش ہو کر گر پڑتے۔ ایک دن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ کو یہ کیا مرض ہے؟ جواب دیا میں بالکل تندرست ہوں۔ اور مجھے کوئی مرض نہیں ہے۔ جب خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی دی گئی تو میں اس مجمع میں موجود تھا۔ جب وہ ہوش ربا واقعات یاد آجاتے ہیں، تو مجھ سے سنبھلا نہیں جاتا اور میں کانپ کر بے ہوش ہو جاتا ہوں۔"

عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ

ہر انسان موت کے آئینے میں اپنے دل کی آپ بیتی کا مرقع دیکھ لیتا ہے۔ اگر اس نے اپنی زندگی میں حسد، نفاق، ریا اور برائی کے ساتھ عہد مؤدت استوار رکھا ہو تو موت یہی تحائف اس کے سامنے لاکر رکھ دیتی ہے۔ اگر اس نے محبت، خلوص خدمت اور دیانت کو شمع حیات بنایا ہو تو موت انہیں انوار کا گلدستہ بناتی ہے اور اس کی نذر کردیتی ہے حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا انتقال ''موت میں زندگی کے انعکاس'' کی بہترین مثال ہے۔

قبول اسلام سے پہلے آپ کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ ابھی شیر خواری کی منزل میں تھے کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔ والدہ نہایت غریب تھیں۔ اس واسطے چچا نے پرورش کا بیڑا اٹھایا۔ جب جوانی کی عمر کو پہنچے، تو چچا نے اونٹ، بکریاں، غلام، سامان اور گھر بار دے کر ضروریات سے بے نیاز کردیا تھا۔ ہجرت نبوی کے بعد توحید کی صدائیں عرب کے گوشے گوشے میں گونجنے لگی تھیں اور ان کے کان میں برابر پہنچ رہی تھیں چونکہ لوح فطرت بے میل اور شفاف تھی۔ اس واسطے انہوں نے دل ہی دل میں قبول اسلام کی تیاریاں شروع کردیں۔ اسلامی آواز جو عرب کے کسی گوشے میں بلند ہوتی، ان کے لیے ذوق وشوق کا تازیانہ بن جاتی۔ قبول اسلام کے لیے ہر روز قدم بڑھاتے، مگر چچا کے خوف سے پھر پیچھے ہٹا لیتے۔ انہیں ہر وقت اسی کا انتظار رہتا کہ چچا اسلام کی طرف مائل ہوں تو یہ بھی آستانہ حق پر سر تسلیم خم کردیں۔ اس انتظار میں ہفتے گزرے، مہینے بیتے اور سال ختم ہوگئے۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہوگیا اور دین حق کی فیروز مندیاں، رحمتِ ایزدی کا ابرِ بہار بن کر کوہ و دشت پر پھول برسانے لگیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تطہیر حرم کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تھے کہ ذوالبجادین کا پیمانہ صبر بھی لبریز ہوگیا۔ آپ چچا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ''محترم چچا! میں کئی برسوں سے آپ کے قبول اسلام کی راہ تک رہا ہوں، مگر آپ کا وہی حال ہے جو پہلے تھا۔ اب میں اپنی عمر پر زیادہ اعتماد نہیں کرسکتا۔ مجھے اجازت دیجیے کہ آستانہ اسلام پر سر رکھ دوں۔''

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کو جس بات کا خطرہ تھا وہی پیش آ گئی۔ ادھر قبول اسلام کا لفظ ان کے لبوں سے باہر نکلا، ادھر چچا آپے سے باہر ہو گیا اور کہنے لگا اگر تم اسلام قبول کرو گے تو میں اپنا ہر سامان تم سے واپس لے لوں گا۔ تمہارے جسم سے چادر اتار لوں گا، تمہاری کمر سے تہ بند تک چھین لوں گا۔ تم اپنی دنیا سے بالکل تہی دست کر دیے جاؤ گے اور ایسے حال میں یہاں سے نکلو گے کہ تمہارے جسم پر کپڑے کا ایک تار بھی باقی نہ ہوگا۔"

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی حالت کا اندازہ کیجیے چچا کے الفاظ سے انہیں معلوم ہوا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے موجودات عالم کو ایک مینڈھا بنا کر ان کے سامنے رکھ دیا ہے اور پھر حکم دیا ہے۔ "یہ ہے تمہاری ساری زندگی، اسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح ذبح کر دو۔" ذوالبجادین رضی اللہ عنہ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اس ذبح عظیم کے لیے تیار ہو گئے۔ اور فرمایا "اے عم محترم! میں مسلمان ضرور ہوں گا۔ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرور اتباع کروں گا۔ اب میں شرک و بت پرستی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ آپ کا زر و مال آپ کے لیے مبارک اور میرا اسلام میرے لیے مبارک۔ تھوڑے دنوں تک موت ان چیزوں کو مجھ سے چھڑا دے گی۔ پھر یہ کیا برا ہے اگر میں آج خود ہی انہیں چھوڑ دوں۔ آپ اپنا سب مال و اسباب سنبھال لیں، میں اس کے لیے دینِ حق کو قربان نہیں کر سکتا۔"

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ نے یہ کہا اور چچا کے تقاضا کے مطابق اپنا لباس اتار دیا، جوتے اتار دیئے، چادر اتار دی اور اس کے بعد تہ بند بھی اتار کر ان کے سپرد کر دیا۔ پھر چچا کے بھرے گھر سے اس طرح نکلے کہ خدائے واحد کے نام پاک کے سوا کوئی بھی اور چیز ساتھ نہ تھی۔

میں ہوں وہ گرم روِ راہِ وفا جوں خورشید
سایہ تک بھاگ گیا چھوڑ کے تنہا مجھ کو

اس حال میں آپ اپنی ماں کے گھر میں داخل ہوئے۔ ماں نے انہیں مادرزاد برہنہ دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور پریشان ہو کر پوچھا اے میرے بیٹے! تمہارا یہ کیا حال ہے؟ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ نے کہا "اے ماں! اب میں مومن و موحد ہو گیا ہوں۔" اللہ، اللہ! "مومن اور موحد ہو گیا ہوں۔" کے الفاظ ان کے حال کے کس قدر مطابق تھے۔ انہوں نے اپنی مادی زندگی اپنے ہاتھوں بھسم کی تھی۔ انہوں نے اپنی زیست کے تمام ساز و سامان اپنے ہاتھوں ذبح کیے تھے۔ انہوں نے اسلام کے لئے اپنی زندگی کے تمام رشتوں کو کاٹ کر پھینک دیا تھا، اب ان کے پاس نہ اونٹ تھے، نہ گھوڑے اور نہ بھیڑیں اور نہ بکریاں، نہ سامان تھا نہ مکان، نہ غذا نہ پانی، نہ پانی نہ برتن جسم پر

کپڑے کا ایک تار نہ تھا۔ مادر زاد برہنہ اور سمجھ یہ رہے تھے کہ اب میں مومن اور موحد ہوا ہوں۔"
ماں نے پوچھا تو اب کیا ارادہ ہے؟ کہنے لگے "اب میں حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں جاؤں گا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے ستر پوشی کے بقدر کپڑا دے دیا جائے۔" ماں نے ایک کمبل دیا۔ آپ نے وہیں اس کپڑے کے دو ٹکڑے کیے ایک ٹکڑا تہ بند کے طور پر باندھا اور دوسرا چادر کے طور پر اوڑھا اور یہ مومن اور موحد اس حال میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

رات کی تاریکی اپنی قوت ختم کر چکی تھی، کائنات سورج کا استقبال کرنے کے لیے بیدار ہو رہی تھی، پرندے حمدِ خدا میں مصروف تھے روشنی سے بھیگی ہوئی بادِ سحر مسجد نبوی میں اٹھکیلیاں کر رہی تھی کہ گرد سے اٹا ہوا ذوالبجادین رضی اللہ عنہ تاروں کی چھاؤں میں مسجدِ نبوی میں داخل ہوا۔ ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر آفتاب ہدایت کے طلوع کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں صحنِ مسجد کے ذرات نے خوش آمدید کا ترانہ چھیڑا۔ معلوم ہوا کہ محمد ﷺ تشریف لا رہے ہیں حضور نے صحن مسجد میں قدم رکھا تو ذوالبجادین رضی اللہ عنہ سامنے تھا۔

رسول اللہ ﷺ: آپ کون ہیں؟

ذوالبجادین رضی اللہ عنہ: ایک فقیر اور مسافر۔ عاشقِ جمال اور طالبِ دیدار۔ میرا نام عبدالعزیٰ ہے۔"

رسول اللہ ﷺ (حالات سننے کے بعد): یہیں ہمارے قریب ٹھہرو اور مسجد میں رہا کرو"

رسول اللہ ﷺ نے عبدالعزیٰ کے بجائے عبداللہ نام رکھا اور اصحاب صفہ میں شامل کر دیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا یہ موحد بندہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ قرآن پاک سیکھتا تھا اور آیات ربانی کو دن بھر بڑے ہی ولولہ اور جوش سے پڑھتا رہتا تھا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ "اے دوست اس قدر اونچی آواز سے نہ پڑھو کہ دوسروں کی نماز میں خلل ہو۔"

رسول ﷺ۔ "اے فاروق! انہیں چھوڑ دو، یہ تو خدا اور رسول کے لیے سب کچھ چھوڑ چکا ہے۔"

رجب 9ھ کو اطلاع ملی کہ عرب کے تمام عیسائی قبائل قیصرِ روم کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے ہیں اور وہ رومی فوجوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اس وقت عرب کی گرمی خوب زوروں پر تھی۔ رسول اللہ نے آدمیوں اور روپے کے لیے اپیل کی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے 900 اونٹ 100 گھوڑے اور ایک ہزار دینار چندہ دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے 40 ہزار درہم دیئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مال و منال اور نقد جنس کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصہ جنگ کے چندے میں دے دیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اللہ اور رسول کے نام کے

جب میت لحد میں رکھ دی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اینٹیں میں خود رکھوں گا۔''
چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے قبر میں اینٹیں لگائیں اور جب تدفین مکمل ہو چکی، تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا۔

''الٰہی ! آج شام تک مرنے والے سے میں خوش رہا ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب یہ نظارہ دیکھا تو فرمایا:

''اے کاش! اس قبر میں آج میں دفن کیا جاتا ہے۔''

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

علم و فضل میں باکمال، امانت اور دیانت اور زہد و ورع کی عظیم مثال، حق گوئی و بے باکی، بہادری اور جرأت کے پیکر، عظیم جرنیل، میدان کارزار میں دشمنوں کی صفوں کو چیرنے والا نڈر جنگجو جاہ و جلال کا پیکر، آزمودہ کار اور بے خوف سپاہی، عبادت گزار اور شب زندہ دار، شمالی افریقہ کی فتوحات میں شاندار خدمات سرانجام دیں، انصاف پرور اور خوفِ خدا رکھنے والے حکمران، حجاز، یمن، بصرہ و کوفہ اور خراساں کے علاقے ان کے زیر نگیں رہے۔

جنہیں آٹھ سال کی عمر میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قرآن پاک کا عالم، پاک دامن اس کا باپ حواری رسول زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس کی والدہ اسما بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا اس کے نانا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی پھوپھی سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، اس کی خالہ سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا، اس کی دادی صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا، یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خوش بختی کے کیا کہنے۔

عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے زیادہ اچھی نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہ دیکھا۔

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ میں تین خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ شجاعت، عبادت اور بلاغت، انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے نام پر اپنی کنیت اُم عبداللہ رکھی

نام	عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
پیدائش	1 ہجری مدینہ
وفات	71 ہجری...... 695ء
وفات کے وقت عمر	73 سال
مدت خلافت	64ھ تا 73ھ 9 سال

اضافہ طارق اکیڈمی

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

علم وفضل میں باکمال، امانت اور دیانت اور زہد وورع کی عظیم مثال، حق گوئی و بے باکی، بہادری اور جرأت کے پیکر، عظیم جرنیل، میدان کارزار میں دشمنوں کی صفوں کو چیرنے والا نڈر جنگجو جاہ وجلال کا پیکر، آزمودہ کار اور بے خوف سپاہی، عبادت گزار اور شب زندہ دار، شمالی افریقہ کی فتوحات میں شاندار خدمات سرانجام دیں، انصاف پرور اور خوف خدا رکھنے والے حکمران، حجاز، یمن، بصرہ وکوفہ اور خراساں کے علاقے ان کے زیرنگیں رہے۔

جنہیں آٹھ سال کی عمر میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قرآن پاک کا عالم، پاک دامن اس کا باپ حواری رسول زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس کی والدہ اسما بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا اس کے نانا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی پھوپھی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، اس کی خالہ سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا، اس کی دادی صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا، یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خوش بختی کے کیا کہنے۔

عمرو بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے زیادہ اچھی نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہ دیکھا۔

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ میں تین خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ شجاعت، عبادت اور بلاغت، انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے نام پر اپنی کنیت اُم عبداللہ رکھی

نام	عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
پیدائش	1 ہجری مدینہ
وفات	71 ہجری......695ء
وفات کے وقت عمر	73 سال
مدت خلافت	64ھ تا 73ھ 9 سال

اضافہ طارق اکیڈمی

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

والد کا اسمِ گرامی، سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، والدہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا، نانا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، خالہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، پھوپھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، دادی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا۔

مدینہ منورہ میں تولد ہوئے۔ سات آٹھ برس کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی عزت حاصل۔ 21 سال کی عمر میں جنگ یرموک میں شامل جہاد ہوئے۔ فتح طرابلس 26ھ آپ کے حسن تدبر کا نتیجہ تھی۔ جنگ جمل میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حمایت میں دل کھول کر لڑے۔ جنگ صفین میں غیر جانبدار رہے۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوگئے، تو آپ نے بھی رفع شر کے لیے ان کی بیعت کرلی، مگر جب انہوں نے یزید کو ولی عہد بنایا، تو آپ نے شدید مخالفت کی۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود مدینہ منورہ آئے اور امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، وغیرہ کو بلوایا۔ ان سب نے مجلس گفتگو میں آپ ہی کو نمائندہ مقرر کردیا۔ یہاں جو گفتگو ہوئی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، آپ لوگ میری صلہ رحمی اور عفو و درگزر سے خوب واقف ہیں، یزید آپ کا بھائی اور ابنِ عم ہے۔ آپ اسے برائے نام خلیفہ تسلیم کرلیں۔ مناصب اور خراج و خزانہ کا سب انتظام آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا اور یزید اس میں آپ کی مزاحمت نہیں کرے گا۔"

یہ سن کر تمام لوگ خاموش رہے اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: "ابن زبیر! آپ ان کے ترجمان ہیں، جواب دیجیے۔

ابن زبیر: آپ پیغمبر اسلام یا ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ اختیار کریں ہم اسی وقت سر جھکا دیں گے

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ان لوگوں کا طریقہ کیا تھا؟

ابن زبیر رضی اللہ عنہ: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔ مسلمانوں نے آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خود منتخب کیا تھا۔"

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: آج ہم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کس کی ہے؟ اگر میں یہ راستہ اختیار کروں، تو اس سے اختلافات اور بڑھ جائیں گے۔''

ابن زبیر رضی اللہ عنہ: تو ابوبکر یا عمر فاروق رضی اللہ عنہم کا طریقہ اختیار کیجئے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: ان کا طریقہ کیا تھا؟

ابن زبیر رضی اللہ عنہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا تھا، اور فاروق رضی اللہ عنہ، نے چھ ایسے آدمیوں کو جو ان کے رشتہ دار نہیں تھے، انتخاب خلیفہ کا اختیار دے دیا تھا۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: اس کے علاوہ کوئی بھی صورت تمہیں منظور ہو سکتی ہے؟''

ابن زبیر رضی اللہ عنہ: بالکل نہیں۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: نے سختی کی پالیسی پر عمل کیا۔ اختلاف کرنے والوں کی زبان بندی کر دی اور پھر اہل مدینہ سے یزید کے حق میں بیعت لے لی۔ وفات کے وقت یزید کو وصیت کی۔ ''جو شخص لومڑی کی طرح کاوے دے کر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا۔ وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔ اگر وہ مان لیں، تو خیر ورنہ قابو پانے کے بعد انہیں ختم کر دینا۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جب امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے، تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے تہامہ اور مدینہ کے لوگوں سے بیعت لی اور یزید کے عاملوں کو وہاں سے نکلوا دیا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو بری فوج دے کر ان کے مقابلے پر بھیجا۔ مسلم نے پہلے مدینہ فتح کیا اور لوٹا۔ پھر اس کے جانشین حصین بن نمیر نے جبل بوقبیس پر چرخیاں لگا کر خانہ کعبہ پر آتش باری کی اور مکہ معظمہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس اثناء میں یزید کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹے معاویہ نے خود ہی خلافت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اب ابن زبیر رضی اللہ عنہ قدرتی طور پر تمام ممالک اسلامیہ کے خلیفہ تھے۔ جس روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا جانشین بنایا، نظامِ اسلام ختم ہو گیا تھا۔ اب قدرتاً نظامِ اسلام کے احیاء کی پھر صحیح صورت پیدا ہو گئی۔ بڑی توقع تھی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، سے جو بڑی اجتہادی غلطی واقع ہوئی ہے، اب وہ نکل جائے گی اور مسلمان پھر سے ہمیشہ کے لیے اسلام کے صحیح راستے پر آ جائیں گے، مگر افسوس کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے ابتداء ہی میں کچھ ایسی فروگزاشتیں ہوئیں کہ احیاء اسلام کی تمام اچھی امیدیں جو پیدا ہو رہی تھیں، دیکھتے ہی دیکھتے پیوند زمین ہو گئیں۔ فروگزاشتیں حسب ذیل ہیں۔

1. شامی سپہ سالار حصین بن نمیر نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ ''ہم مشترکہ فوجوں کے ساتھ شام

چلیں۔ اہل شام سب سے زیادہ آپ ہی کی خلافت کو ترجیح دیں گے اور میں وہاں آپ کی بیعت کرانے کی کوشش کروں گا۔'' اس پر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

''یہ اس وقت ہوگا، جب کہ ایک ایک حجازی کے بدلے میں دس دس شامیوں کو قتل کرالوں۔'' اس پر حصین بن نمیر مایوس ہو کر اپنی فوج کے ساتھ شام واپس چلا گیا۔

2 مروان اور دوسرے اکابر بنی امیہ مدینہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کیلئے تیار تھے، مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ پہنچتے ہی ان لوگوں کو نکال دیا اور ان کے لیے یہ موقع خود بہم پہنچایا کہ وہ شام جا کر ان کی مخالفت کا علم بلند کر دیں، چنانچہ یہ سب لوگ شام گئے اور وہاں انہوں نے مروان کو خلیفہ بنا کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ، کے علاقوں پر فوج کشی کر دی اور دمشق، حمص، فلسطین اور مصر سے ان کے گورنروں کو شکستیں دیں اور ملک بدر کر دیا۔

3 بنی ثقیف کے ایک چالاک آدمی مختار ثقفی نے جاہ طلبی کے لیے انتقام حسین رضی اللہ عنہ، کا نعرہ بلند کیا۔ ابن زبیر نہایت آسانی کے ساتھ ان لوگوں کو بنی امیہ سے الجھا سکتے تھے کیونکہ نعرہ فی الاصل انہیں کے خلاف تھا، مگر انہوں نے یہ نہ کیا، بلکہ محمد بن حنفیہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، اور اہل بیت کے دوسرے بزرگوں سے بگاڑ لی اور انہیں قید یا جلاوطن کر دیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ مختار ثقفی کو اپنی طاقت بڑھانے کا موقع مل گیا اور اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے گورنر کوفہ کو ملک بدر کر کے کوفہ اور عراق پر قبضہ کر لیا۔ آخر یہ فتنہ بڑے نقصان پہنچا کر کافی وقت لے کر اور بڑی قربانیوں کے بعد فرو ہوا۔ اسی اثناء میں مروان کے جانشین عبدالملک نے اطراف شام میں بہت بڑی قوت حاصل کر لی۔ اور قبل اس کے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ شام پر فوج کشی کرتے، عبدالملک نے عراق پر حملہ بول دیا اور گورنر کوفہ کو شکست دے کر عراق پر قابض ہو گیا۔ اب عبدالملک اس قابل تھا کہ وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے آخری فیصلہ کر لے۔ اپنے اسی خیال کے تحت ایک دن اس نے ایک بہت بڑا مجمع کیا اور ایک گرم جوش تقریر کی اور پھر مجمع عام سے پوچھا۔

عبدالملک: ''تم میں کون ہے جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کا بیڑا اٹھائے؟''

حجاج: ''یہ خدمت میں سرانجام دوں گا۔''

عبدالملک: ''کوئی ایسا مرد میدان ہے، جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ختم کر دے؟

حجاج: ''میں یہ فرض انجام دوں گا۔''

عبدالملک: ''کون ہے جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا سر قلم کر لائے؟''

حجاج: ''یہ خدمت میرے سپرد کی جائے۔''

یہ خدمت حجاج کے سپرد کر دی گئی اور وہ 72ھ میں ایک فوج گراں کے ساتھ مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ، حرم کعبہ میں پناہ گزین تھے۔ حجاج نے حرم پاک کو چاروں طرف سے گھیرا اور آتش زنی اور سنگ باری کو اپنا وظیفہ حیات قرار دے لیا۔ گولے حرم کعبہ میں گر کر اس طرح پھٹتے تھے، جیسے دو پہاڑ ٹکر کھاتے ہیں اور ٹکرا ٹکرا کر پرزہ پرزہ ہو جاتے ہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بڑے سکون سے آگ اور پتھروں کی برسات کا مقابلہ کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کئی مہینے ختم ہو گئے۔ جب نماز کا وقت آتا، تو آپ صحن کعبہ میں قبلہ رو کھڑے ہو جاتے۔ آپ کے چاروں طرف پتھروں کی برسات شروع رہتی، مگر آپ گرد و غبار سے زیادہ اسے اہمیت نہ دیتے، یہاں تک رسد بالکل ختم ہو گئی اور فوج سواری کے گھوڑوں کو ذبح کر کے کھانے لگی۔ مکہ مکرمہ کے اندر قحط نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ ہر در و دیوار سے فریاد کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھی فاقہ کشی کے عذاب سے تنگ آ کر روزانہ بھاگتے تھے اور حجاج بن یوسف کی صفوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ تعداد 10 ہزار تک پہنچ گئی ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دولخت جگر۔ حمزہ اور حبیب۔ بھی ان سے الگ ہو گئے اور حجاج کے ساتھ مل گئے۔ تیسرے بیٹے نے بہادرانہ مقابلہ کیا اور میدان جنگ میں شہید ہو گیا۔

اب ابن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی والدہ حضرت اسماء بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مشورہ لینے کے لیے آئے۔ اس وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر 100 برس سے زیادہ تھی، جسم میں جتنے مسام، اتنے ہی ان کے دل و جگر پر داغ تھے۔ بیٹے نے کہا

''اماں! میرے تمام ساتھی اور میرے بیٹے میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں صرف چند بندگان وفا باقی ہیں، مگر وہ بھی حملے کا جواب نہیں دے سکتے۔ دوسری طرف دشمن ہمارے مطالبے کو تسلیم نہیں کر رہا ہے۔ ان حالات میں آپ کا مشورہ کیا ہے؟

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا: ''بیٹا اگر تم حق پر ہو تو جاؤ اور اس حق کے لیے جان دے دو، جس پر تمہارے بہت سے ساتھی قربان ہو چکے ہیں، لیکن اگر تم حق پر نہیں ہو تو پھر تمہیں سوچنا چاہیے تھا کہ تم اپنی اور دوسرے لوگوں کی ہلاکت کے ذمہ دار بن رہے ہو۔''

ابن زبیر رضی اللہ عنہ: ''اس وقت میرے تمام ساتھی جواب دے گئے ہیں۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا: ساتھیوں کی عدم رفاقت، شریف اور دیندار انسانوں کے لیے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ غور کرو کہ تمہیں اس دنیا میں کب تک رہنا ہے؟ حق کے لیے جان دے دینا حق کو پس پشت ڈال کر زندہ رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔''

ابن زبیر رضی اللہ عنہ: مجھے اندیشہ ہے کہ بنی امیہ کے لوگ میری لاش کو مثلہ کریں گے، مجھے سولی پر لٹکا دیں گے اور کسی بھی بے حرمتی سے کوتاہی نہیں کریں گے۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا: بیٹا! جب بکری ذبح ہو جائے، تو پھر کھال اتارنے سے اسے کچھ تکلیف نہیں ہوا کرتی۔ اچھا میدان جنگ کو سدھارو اور خدا تعالیٰ سے امداد طلب کر کے اپنا فرض ادا کر دو۔''

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ماں کے سر کو بوسہ دیا اور کہا: ''اے مادرِ محترم! میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کمزور ثابت نہ ہوں گا۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ کو اطمینان دلا دوں کہ آپ کے بیٹے نے امرِ باطل پر جان نہیں دی۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا: بیٹا! بہر حال میں تو صبر و شکر ہی سے کام لوں گی۔ اگر تم مجھ سے پہلے چل دیئے، تو میں صبر کروں گی۔ اگر کامیاب واپس لوٹے تو میں تمہاری کامیابی پر خوش ہوں گی۔ اچھا اب تم قربانی دو۔ انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔''

ابن زبیر رضی اللہ عنہ: میرے حق میں دُعائے خیر فرما دیجئے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا: اے اللہ! میں اپنے بیٹے کو تیرے سپرد کرتی ہوں، تو استقامت دے اور مجھے صبر و شکر عطا کر۔''

دُعا کے بعد بوڑھی ماں نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ پھیلا دیئے اور فرمایا: ''بیٹا ذرا میرے پاس آ جاؤ تا کہ میں آخری مرتبہ تم سے مل لوں۔''

ابن زبیر رضی اللہ عنہ: نے کہا ہماری یہ آخری ملاقات ہے۔ آج میری زندگی کا آخری دن ہے۔''

اور پھر سر جھکائے آگے بڑھے۔ دردمند ماں نے حوصلہ مند بیٹے کو گلے سے لگا لیا اور بوسہ دیا۔ پھر فرمایا: بیٹا! اپنا فرض پورا کر دو۔'' ابن زبیر رضی اللہ عنہ اس وقت زرہ پہنے ہوئے تھے۔ اسماء رضی اللہ عنہا کو جب یہ لوہے کی کڑیاں سی محسوس ہوئیں، تو ان کے دل پر ایک دھچکا سا لگا۔ آپ نے تعجب سے فرمایا: ''میرے بیٹے! یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے والوں کا تو یہ طریقہ نہیں ہوتا؟ اس پر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، زرہ اتار کر جسم سے الگ پھینک دی اور رجز پڑھتے ہوئے تیغ

بکف شامی فوج کی طرف آئے۔ پھر اس ولولہ اور جوش کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ میدان کانپ اٹھا، چونکہ شامی فوج کی گنتی بے قیاس تھی۔ اس واسطے ان کے ساتھی حملے کی تاب نہ لا کر ادھر ادھر بکھر گئے۔ اس وقت ایک شخص نے پکار کر کہا: ابن زبیر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ کر حفاظت گاہ میں چلے آیئے۔'' آپ نے آواز دینے والے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، اور گرجتے ہوئے شیر کی طرح یہ للکارتے ہوئے آگے بڑھے۔ ''میں اس قدر بزدل نہیں ہوں کہ اپنے بہادر ساتھیوں کی موت کے بعد خود اسی موت سے بھاگ نکلوں۔'' ابن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بپھرے ہوئے شیر کی طرح شامی فوجوں پر حملے کرتے تھے۔ جس طرف آپ تلوار لے کر امنڈتے، صفیں الٹ جاتی تھیں اور راہیں صاف ہو جاتی تھیں۔ چونکہ آپ کے جسم کو زرہ کی حفاظت حاصل نہ تھی، اس لیے آپ بے دریغ تلوار چلاتے جاتے اور جسم کا خون برستے ہوئے بادل کی طرح ٹپکتا جاتا تھا۔ حجاج نے تمام شامی فوجوں کو حرکت دی۔ اپنے منتخب بہادروں کو آگے بڑھایا اور پھر اس قوت و شدت کے ساتھ حملہ کیا کہ شامی فوجیں زور کرتے ہوئے خانہ کعبہ کے دروازوں تک پہنچ گئیں۔ لیکن برتری کی باگ اب بھی ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے ہاتھ میں تھی۔ یہ مٹھی بھر جوان تلواروں کی بجلی اور نعرہ ہائے تکبیر کی کڑک کے ساتھ جس طرف رخ کرتے تھے، شامیوں کا ہجوم زیر و زبر ہو جاتا تھا۔ یہ حال دیکھ کر حجاج بن یوسف اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس نے اپنے علمبردار کو آگے بڑھایا اور اپنے سپاہیوں کو للکارا۔ ٹھیک اسی وقت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے تڑپ کر اٹھے، باز کی طرح لپکے اور اس بڑھتے ہوئے سیلاب کا رخ پھیر دیا۔ اسی اثناء میں خانہ کعبہ کے میناروں سے اذان کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اللہ اکبر کے ساتھ ہی اس اللہ کے بندے نے تلوار نیام میں ڈال دی اور اپنی ایک صف، حجاج بن یوسف کے مقابلے میں چھوڑ کر خود مقامِ ابراہیم پر جا کر کھڑا ہوا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ جب نماز سے لوٹے، تو معلوم ہوا کہ آپ کے ساتھی بکھر چکے ہیں، علم چھن چکا ہے اور علمبردار قتل ہو چکا ہے۔ اس نظارہ یاس و حسرت سے دل کا جو حال ہوا، بیان میں نہیں آ سکتا۔ پھر بھی یہ بے فوج کا سپہ سالار اور بے علم کا مجاہد مردانہ وار آگے بڑھا اور یہ ایک دس ہزار میں گھس کر تلوار چلانے لگا۔ سامنے سے ایک تیر آیا اور اس نے ابن زبیر کا سر کھول دیا، ماتھا، چہرہ اور داڑھی خون سے تر ہو گئے۔ اس وقت بھی ان کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

وَلَسْنَا عَلَى الْأَعْقَابِ تَدْمِي كُلُومُنَا وَلٰكِنْ عَلٰى أَقْدَامِنَا تَقْطُرُ الدِّمَا [1]

[1] تاریخ طبری، ج 7، ص 205

ابن زبیر رضی اللہ عنہ یہ رجز پڑھتے جاتے تھے، تلوار چلاتے جاتے تھے، اور آگے بڑھتے جاتے تھے، یہاں تک کہ زمین پر گر پڑے اور دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے۔ حجاج نے حسب وعدہ ان کا سر کاٹ کر عبدالملک کے پاس بھیج دیا اور ان کی لاش شہر کے باہر ایک اونچی جگہ پر لٹکا دی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اس دردناک انجام کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے حجاج کو پیغام بھیجا: ''ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش کو سولی سے ہٹا دیا جائے۔'' حجاج نے جواب دیا: ''میں اس نظارے کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔'' اسماء رضی اللہ عنہا نے پھر کہا: مجھے تجہیز و تکفین کی اجازت دی جائے۔'' مگر حجاج نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ قریش یہاں آتے تھے اور اپنے نامور فرزند کی لاش سولی پر دیکھ کر چلے جاتے تھے۔ ایک دن اسماء رضی اللہ عنہا بھی اتفاقاً ادھر سے گزریں، ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش اب بھی سولی سے لٹک رہی تھی، آپ نے بیٹے پر نظر ڈالی اور فرمایا: ''کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ شاہسوار بھی اپنے گھوڑے سے اترے؟'' علامہ شبلی نے اسماء رضی اللہ عنہا کے ان دلیرانہ الفاظ کا کس قدر اچھا ترجمہ کیا ہے۔

لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن
ان کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار
اتفاقات سے ایک دن جو ادھر جا نکلیں
دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں اک بار
ہوچکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

صالح اور عادل خلیفہ عدل گستری، انصاف پسندی، سادگی اور زہد و تقویٰ کے پیکر، انہوں نے اڑھائی سال کی قلیل مدت میں نصف صدی کے بگڑے نظام کو اس طرح درست کر دیا۔ کہ ان کا شمار پانچویں خلیفہ راشد کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔

ہر قوم میں ایک یکتائے روزگار شخصیت ہوتی ہے اور بنو امیہ کی یہ نادر شخصیت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ قیامت کے دن انہیں ایک امت کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔

(محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ)

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خوبصورت، خوب سیرت، جید عالم، پرہیز گار، خدا ترس، شب زندہ دار اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے، اہل علم کے ہاں علم و عمل، زہد و تقویٰ کے پیکر اور خلفاء راشدین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ (علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ)

نام	عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ
پیدائش	61ہجری، 681ء
جب گورنر مدینہ بنے عمر	26سال، 87ہجری، 717ء
خلیفہ بنتے وقت عمر	38سال، 99ہجری، 704ء
وفات کے وقت عمر	40سال رجب 101ھ، فروری 720ء
مدت خلافت	اڑھائی سال 99ھ تا 101ھ

اضافہ طارق اکیڈمی

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی حیات پاک اس قوم کے لیے جسے اللہ تعالیٰ حکمران ہونے کا شرف بخشے، نمونہ ہے اور آپ کی وفات ہر فانی انسان کے لیے نمونہ ہے۔ اگر وہ حق پر جان قربان کر دینے کا آرزومند ہو یہاں ہم حضرت موصوف کی زندگی اور موت کے مختصر حالات درج کرتے ہیں:

جب خلیفہ ولید نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو مدینہ منورہ کا گورنر بنایا تو آپ نے فرمایا ''اس شرط پر گورنری منظور کرتا ہوں کہ مجھے پہلے گورنروں کی طرح ظلم کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔'' خلیفہ نے کہا: ''آپ حق پر عمل کریں، خواہ خزانہ خلافت کو ایک پائی بھی نہ ملے۔'' آپ نے مدینہ منورہ میں پہنچتے ہی علماء و اکابر کو جمع کیا اور فرمایا:

> ''اگر آپ لوگوں کو کہیں بھی ظلم نظر آ جائے، تو خدا کی قسم مجھے اس کی اطلاع ضرور کر دیں۔'' جب تک مدینہ منورہ کے گورنر رہے، کسی شخص نے آپ سے عدل، نیکی، فیاضی اور ہمدردی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔

خلیفہ سلیمان کی آخری بیماری میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو شک ہوا کہ وہ کہیں آپ کو اپنا جانشین نہ بنائیں۔ گھبرائے ہوئے رجاء بن حیوۃ (وزیراعظم) ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: ''مجھے خطرہ ہے کہ خلیفہ سلیمان نے میرے حق میں وصیت نہ کر دی ہو، آپ مجھے ابھی یہ بتا دیں کہ میں اپنا استعفیٰ دے کر سبکدوش ہو جاؤں اور وہ اپنی زندگی میں کوئی دوسرا انتظام کر جائیں۔''

رجاءؒ نے آپ کو ٹال دیا، مگر جب وصیت نامہ سامنے آیا تو آپ کا خطرہ صحیح ثابت ہوا۔ اس وقت خلیفہ سلیمان دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اس واسطے آپ نے عام مسلمانوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا:

> ''اے لوگو! میری خواہش اور تمہارے استصواب رائے کے بغیر مجھے خلیفہ بنایا گیا ہے۔

میں تمہیں اپنی بیعت سے خود ہی آزاد کرتا ہوں، تم جسے چاہو اپنا خلیفہ مقرر کر لو۔"

مجمع سے بالاتفاق آواز آئی: امیر المومنین! ہمارے خلیفہ آپ ہیں۔" ارشاد فرمایا

"صرف اس وقت تک جب تک کہ میں اطاعت الٰہی کی حد سے قدم باہر نہ رکھوں۔" اب شاہی سواریاں پیش کی گئیں کہ آپ محل شاہی میں تشریف لے چلیے۔ ارشاد فرمایا۔ "انہیں واپس لے جاؤ! میری سواری کے لیے اپنا خچر کافی ہے۔" جب آپ دارالحکومت کی طرف روانہ ہوئے تو کوتوال نے حسب دستور نیزہ اٹھا کر آپ کے ساتھ چلنا چاہا، مگر آپ نے اسے وہیں روک دیا اور فرمایا: "میں تو مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں۔" جب علما نے منبروں پر حسب رواج آپ کا نام لیا اور درود و سلام بھیجا، تو آپ نے فرمایا: میری بجائے سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کرو۔ اگر میں مسلمان ہوں گا، تو یہ دعا مجھے بھی خود بخود پہنچ جائے گی۔ محل شاہی میں پہنچے، تو وہاں خلیفہ سلیمان کے اہل و عیال فروکش تھے ارشاد فرمایا: "میرے لیے ایک خیمہ لگا دیا جائے، میں اس میں رہوں گا۔" یہ ہو گیا، تو آپ اداس چہرے، حیران آنکھوں اور اڑے ہوئے رنگ کے ساتھ گھر آئے۔ لونڈی نے دیکھتے ہی کہا۔ "آپ آج اس قدر پریشان کیوں ہیں؟"

فرمایا: آج مجھ پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ میں ہر مسلمان کا بغیر اس کے مطالبہ کے حق ادا کروں۔ آج میں مشرق و مغرب کے ہر یتیم و مسکین کا اور ہر بیوہ و مسافر کا جواب دہ بنا دیا گیا ہوں۔ پھر مجھ سے زیادہ قابلِ رحم اور کون ہو سکتا ہے؟"

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلیفہ سلیمان تک جتنے بھی اچھے علاقے، جاگیریں اور زمینیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں، وہ سب بنی امیہ والوں کو عطا کر دی گئی تھیں۔ امت کی دو تہائی دولت سندات شاہی کے ذریعہ سے بس انہیں لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بنی امیہ والوں کو جمع کر کے کہا:

"یہ سب اموال ان کے اصل وارثوں کو واپس کر دو۔"

انہوں نے جواب دیا۔ "ہم سب کی گردن اتار دینے کے بعد ہی یہ ہو سکتا ہے۔"

اس پر عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ بھی اپنی تمام خاندانی جاگیروں اور عطیوں کی سندات شاہی کا تھیلا اٹھائے وہاں تشریف لائے۔ میر منشی ایک ایک سند کو ہاتھ میں لے کر پڑھتا، تو آپ ارشاد فرماتے:

"میں نے یہ جاگیر اصل وارثوں کے حق میں چھوڑ دی۔" اور پھر وہیں قینچی لے کر اس سند

شاہی کو کتر کتر کر پھینک دیتے تھے۔ صبح سے ظہر تک آپ نے اپنے ذاتی اور خاندانی عطیات کی سندیں اس طرح کاٹ کاٹ کر ضائع کر دیں۔ اپنے ذاتی مال و دولت کو بیت المال میں داخل کرا دیا۔ پھر گھر تشریف لائے اور اپنی بیوی فاطمہ سے جو خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھیں، ارشاد فرمایا
''اپنے وہ بیش قیمت جواہر جو تمہیں عبدالملک نے دیئے تھے، بیت المال میں داخل کرا دو یا مجھ سے اپنا تعلق ختم کر لو۔''

باوفا اور سیر چشم بیوی یہ سنتے ہی اٹھیں اور اپنے جواہر کو بیت المال کو بھیج دیا۔ جب دامن پاک اور گھر صاف ہو چکا، تو آپ اہل خاندان کی طرف متوجہ ہوئے اور یزید اور معاویہ تک کے وارثوں کو ایک ایک کر کے پکڑا اور تمام غصب شدہ جائدادیں اور اموال اصل وارثوں کو واپس کرا دیئے۔ مال و دولت اس کثرت کے ساتھ واپس ہوا کہ حکومت عراق کا خزانہ خالی ہو گیا اور اخراجات کے لیے دمشق (صدر مقام) سے وہاں روپیہ بھیجا گیا۔ بعض خیر خواہوں نے کہا: ''آپ اپنی اولاد کے لیے کچھ چھوڑ دیں۔ ارشاد فرمایا: ''میں انہیں اپنے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔''

آلِ مروان کی طرف سے لکھا گیا: ''یا امیر المومنین! آپ اپنے معاملات اپنی رائے سے طے کر لیں، مگر گزشتہ خلفاء کی کارروائیوں کو کالعدم قرار نہ دیں۔'' آپ نے فرمایا: آپ لوگ مجھے ایک سوال کا جواب سمجھا دیں۔ اگر ایک ہی معاملہ کے متعلق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور خلیفہ عبدالملک کی سندات پیش کی جائیں، تو فیصلہ کس کے مطابق دینا چاہیے؟'' لوگوں نے کہا: ''امیر معاویہ کی دستاویز قدیم ہے، اس لیے اس کے مطابق فیصلہ دینا چاہیے۔'' اس پر آپ نے فرمایا: میں بھی تو اب یہی کر رہا ہوں۔ میں خلیفوں کے فیصلے کو چھوڑتا ہوں اور قرآن قدیم کے مطابق فیصلے دیتا ہوں۔''

دوسری یہی بحث چھڑی تو آپ نے فرمایا: ''اگر باپ کی موت کے بعد بڑا بھائی تمام جائیداد پر قبضہ کر لے، تو آپ کیا کریں گے؟ لوگ کہنے لگے'' ہم چھوٹے بھائیوں کو بھی ان کا حق دلوا دیں گے۔'' آپ نے فرمایا'' خلفائے راشدین کے بعد جو لوگ خلیفہ ہوئے انہوں نے غریبان امت کی جائداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب میں بھی انہیں غریبوں کا حق امیروں سے دلوا رہا ہوں۔''

ایک مرتبہ تمام آلِ مروان جمع ہوئے اور انہوں نے آپ کے بیٹوں کے ذریعہ سے آپ کو یہ کہلا بھیجا۔'' ہم آپ کے رشتہ دار ہیں۔ آپ پہلے خلیفوں کی طرح ہماری قرابت کا لحاظ کریں، آپ ہمیں عطیات سے محروم نہ رکھیں۔'' آپ نے کہلا بھیجا: تم لوگ مجھے اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب نہیں ہو۔ اگر میں اس کی قرابت قربان کر دوں تو کیا تم قیامت کے دن مجھے اس کے عذاب

سے بچالو گے؟ لوگوں نے یہ سنا اور مایوس ہو کر منتشر ہو گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر والوں کے روز ینے بند کر دیئے۔ جب انہوں نے تقاضا کیا تو فرمایا: میرے اپنے پاس کوئی مال نہیں ہے اور بیت المال میں تمہارا حق اسی قدر ہے، جس قدر کہ اس مسلمان کا جو سلطنت کے آخری کنارے پر آباد ہو۔ پھر میں تمہیں دوسرے مسلمانوں سے زیادہ کس طرح دے سکتا ہوں خدا کی قسم! اگر ساری دنیا بھی تمہاری ہم خیال ہو جائے تو پھر بھی یہ نہیں کروں گا۔"

آپ نے سلطنت کے تمام ظالم عہدہ دار جن کے مزاج بگڑے ہوئے تھے، دائرہ نظم ونسق سے الگ کر دیئے۔ عوام پر ہر قسم کا تشدد یک لخت ہٹا دیا۔ افسران پولیس نے کہا۔ "ہم جب تک لوگوں کو شبہ میں نہ پکڑیں اور سزائیں نہ دیں، واردات بند نہیں ہوں گی۔"

آپ نے ان سب کو ایک رقعہ لکھ بھیجا۔ "آپ صرف حکم شریعت کے مطابق لوگوں سے مواخذہ کیجئے۔ اگر حق وعدل پر عمل کرنے سے واردات نہیں رکتی، تو اسے جاری رہنے دیجئے۔"

خراسان کے گورنر کا خط آیا کہ اس ملک کے لوگ سخت سرکش ہیں اور تلوار اور کوڑے کے سوا کوئی چیز ان کی سرکشی دور نہیں کر سکتی۔ آپ نے جواب بھیجا: "آپ کا خیال بالکل غلط ہے۔ بے لاگ حق پرستی اور معدلت گستری انہیں ضرور درست کر سکتی ہے۔ اب آپ اسی کو عام کیجئے۔"

آپ نے فرمان جاری کیا تھا کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جائے، تو اس سے جزیہ کا ایک درہم بھی وصول نہ کیا جائے۔ اس حکم کے ساتھ ہی ہزاروں لوگ مسلمان ہو گئے اور جزیہ کی مد کا جنازہ اٹھ گیا۔ حیان بن شریح نے رپورٹ کی کہ "آپ کے فرمان سے لوگ اس کثرت سے مسلمان ہونے لگے ہیں کہ جزیہ کی آمدنی ہی ختم ہو گئی ہے اور مجھے قرض لے لے کر مسلمانوں کی تنخواہیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔" آپ نے جواب بھیجا: "جزیہ بہر حال موقوف کر دو اور یہ سمجھو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہادی راہ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ محصلِ خراج بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ سارے غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور ہماری تمہاری حیثیت صرف ایک کاشتکار کی رہ جائے کہ ہم اپنے ہاتھ سے کمائیں اور کھائیں۔

عدی بن ارطاط گورنر فارس کے عہدہ دار باغوں میں پھلوں کا تخمینہ کر کے انہیں کم قیمت پر خرید لیتے تھے۔ آپ کو اس کی اطلاع پہنچی، تو آپ نے تین آدمیوں کی ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی اور عدی کو لکھا: اگر یہ سب کچھ تمہاری پسند یا ایماء سے ہو رہا ہے، تو میں تم کو مہلت نہ دوں

گا۔ میں ایک تحقیقاتی وفد بھیجتا ہوں۔ اگر میری اطلاع صحیح نکلی، تو یہ تمام پھل، باغات کے مالکوں کو واپس کر دیں گے، تم کمیٹی کے کام میں ذرا بھی مداخلت نہ کرنا۔“

ایک مرتبہ یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع ملی، تو آپ بے قرار ہو گئے۔ اس وقت قلم ہاتھ میں لیا اور یمن کے افسر خزانہ کو لکھا: ”میں تمہیں خائن قرار نہیں دیتا۔ پھر بھی تمہاری لاپرواہی کو اس کا مجرم قرار دیتا ہوں۔ میں مسلمانوں کی طرف سے ان کے مال کا مدعی ہوں۔ تم اس پر شرعی حلف اٹھاؤ کہ دینار کی گم شدگی میں تمہارا ہاتھ میں نہیں ہے۔“

سلطنت کا دفتری عملہ شاہی احکام کے اجراء میں کاغذ، قلم، دوات اور لفافے خوب استعمال کرتا تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے، تو آپ نے اس فضول خرچی اور نمائش کی طرف بھی توجہ فرمائی اور ابوبکر بن حزم اور دوسرے اہل کاروں کو لکھا: ”تم وہ دن یاد کرو، جب تم اندھیری رات میں روشنی کے بغیر گھر سے مسجد نبوی میں جایا کرتے تھے۔ بخدا آج تمہاری حالت اس سے بہت بہتر ہے۔ اپنے قلم باریک کر لو۔ سطریں قریب قریب لکھا کرو۔ دفتری ضروریات میں کفایت شعاری برتو، میں مسلمانوں کے خزانہ سے ایسی رقم صرف کرنا پسند نہیں کرتا، جس سے ان کو براہ راست کوئی فائدہ نہ ہو۔“

آپ نے شاہی خاندان کے وظیفے بند کر دیے، وہ تمام اخراجات اڑا دیے، جو شوکت شاہانہ کے لیے کیے جاتے تھے۔ شاہی اصطبل کی سواریاں فروخت کر دیں اور تمام روپیہ بیت المال میں بھیج دیا۔ پھر ان تمام لوگوں کے نام درج رجسٹر کیے جو کمائی کرنے کے قابل نہ تھے۔ ان سب کے لیے وظیفے مقرر کیے۔ حکم عام یہ تھا کہ میری سلطنت میں کوئی شخص بھوکا نہ رہے۔ بعض گورنروں نے لکھا: ”اس طرح تمام خزانے خالی ہو جائیں گے۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جواب یہ تھا: ”جب تک اللہ کا مال موجود ہے، اللہ کے بندوں کو دیتے چلے جاؤ۔ جب خزانہ خالی ہو جائے، تو اس میں کوڑا کرکٹ بھر دو۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سلطنت کے اندر مسلم اور غیر مسلم کے شہری حقوق یکساں کر دیئے۔ حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ آپ نے قاتل کو پکڑ کر مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ربیعہ بن شعودی نے ایک سرکاری ضرورت کے لیے ایک غیر مسلم کا گھوڑا پکڑ لیا اور اس پر سواری کی۔ حضرت کو اطلاع ہوئی، تو آپ

نے ربیعہ کو بلایا اور اسے 40 کوڑے لگوائے۔ خلیفہ ولید نے اپنے بیٹے عباس کو ایک ذمی کی زمین جاگیر میں دے دی تھی۔ ذمی نے دعوی کر دیا تو آپ نے عباس سے کہا۔ ''تمہارا عذر کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''یہ خلیفہ ولید کی سند میرے پاس موجود ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ذمی کی زمین واپس کر دو۔ ولید کی سند کتاب اللہ پر مقدم نہیں ہو سکتی۔'' ایک عیسائی نے خلیفہ عبدالملک کے بیٹے ہشام پر دعوی کر دیا۔ جب مدعی اور مدعا علیہ حاضر ہوئے تو آپ نے دونوں کو برابر کھڑا کر دیا۔ ہشام کا چہرہ اس بے عزتی پر فرطِ غضب سے سرخ ہوگیا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا اس کے برابر کھڑے رہو، شریعت حقہ کی شان عدالت یہی ہے کہ ایک بادشاہ کا بیٹا عدالت میں ایک نصرانی کے برابر کھڑا ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ڈھائی سال حکومت کی تھی۔ اس مختصر مدت میں خلق خدا نے یوں محسوس کیا کہ زمین و آسمان کے درمیان عدل کا ترازو کھڑا ہو گیا ہے، اور فطرت الٰہی خود آگے بڑھ کر انسانیت کو آزادی، محبت اور خوشحالی کا تاج پہنا رہی ہے۔ لوگ ہاتھوں میں خیرات لیے پھرتے تھے، مگر کوئی محتاج نہیں ملتا تھا۔ لوگ ناظم المال کے پاس عطیات کی رقمیں بھیجتے تھے، مگر وہ عذر کر دیتے تھے کہ یہاں کوئی حاجت مند باقی نہیں رہا اور عطیات کو واپس کر دیتے تھے۔ عدی بن ارطاط والی فارس نے آپ کو لکھا کہ ''یہاں خوشحالی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ عام لوگوں کے کبر و غرور میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو گیا ہے۔'' آپ نے جواب دیا ''لوگوں کو خدا کا شکر ادا کرنے کی تعلیم دینا شروع کر دو''

ایک طرف کروڑوں لوگ امن و مسرت اور راحت و شادکامی کے شادیانے بجا رہے تھے۔ اور دوسری طرف وہ وجود پاک جس کی بدولت یہ سب کچھ ہوا تھا، روز بروز ضعیف و نزار ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اسے دن کا چین میسر نہیں تھا، اسے رات کی نیند نصیب نہ تھی۔ جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مدینہ کے گورنر بنائے گئے تھے، تو اس وقت ان کا ذاتی ساز و سامان اس قدر وسیع اور عظیم تھا کہ صرف اسی سے پورے تیس اونٹ لاد کر مدینہ منورہ بھیجے گئے۔ جسم اس قدر تر و تازہ تھا کہ ازار بند، پیٹ کے پٹھوں میں غائب ہو جاتا تھا۔ لباسِ تنعم اور عطریات کے بے حد شوقین تھے۔ نفاست پسندی کا یہ حال تھا کہ جس کپڑے کو دوسرے لوگ آپ کے جسم پر ایک دفعہ دیکھ لیتے تھے، اسے آپ دوبارہ نہیں پہنتے تھے۔ چار چار سو روپے کی قیمت کا کپڑا حاضر خدمت کیا جاتا تھا، مگر آپ اسے خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ خوشبو کے لیے مشک اور عنبر استعمال کرتے تھے۔ رجاء بن حیوۃ

(وزیر اعظم خلیفہ ولید) کا بیان ہے کہ ہماری سلطنت میں سب سے زیادہ خوش لباس، معطر اور خوش خرام شخص عمر بن عبدالعزیز تھے۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے، گلیاں اور بازار خوشبو سے مہک جاتے تھے، لیکن جس دن خلیفہ اسلام بنائے گئے، آپ نے ساری جاگیریں اصل مالکوں کو واپس کر دیں اور فرش فروش، لباس وعطر، ساز و سامان، محلات، لونڈی، غلام اور سواریاں سب کچھ بیچ دیا اور قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔ آپ کے پاس لباس کا صرف ایک جوڑا رہتا تھا۔ جب وہ میلا ہوتا اسی کو دھو کر پہن لیتے تھے۔ مرض الموت میں آپ کے سالے نے اپنی بہن فاطمہ سے کہا:

''امیر المومنین کی قمیض سخت میلی ہو رہی ہے، لوگ بیمار پرسی کے لیے آتے ہیں، اسے بدل دو۔''

فاطمہ نے سنا اور خاموش ہوگئی۔ بھائی نے جب پھر یہی تقاضا کیا تو فرمایا: ''خدا کی قسم، خلیفہ اسلام کے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہیں ہے، میں کہاں سے دوسرا کپڑا پہنا دوں۔'' پھر یہ جوڑا سالم نہیں تھا، اس میں کئی کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔

ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی کے پاس کپڑا نہیں تھا۔ فرمایا: ابھی میرے پاس گنجائش نہیں ہے، فرش پھاڑ کر اس کا کرتہ بنا دیا جائے۔ حضرت کی بہن کو خبر ہوئی تو انہوں نے بچی کے کپڑوں کے لیے ایک تھان لے دیا اور ساتھ ہی کہا: ''امیر المومنین کو اس کی خبر نہ دینا۔''

ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے نے کپڑے مانگے۔ فرمایا ''میرے کپڑے خیار بن ریاح کے پاس ہیں، ان سے لے لو۔ خلیفہ اسلام کا صاحبزادہ خوشی خوشی خیار بن ریاح کے پاس گیا۔ تو انہوں نے صرف ایک کھدر کا کرتہ نکال کر ان کے حوالے کر دیا۔ وہ مایوس ہو کر دوبارہ آپ کی خدمت میں آئے۔ فرمایا۔ ''اے بیٹا! میرے پاس تو بس یہی کچھ ہے۔'' پھر دوبارہ غور کر کے فرمایا ''اگر تم نہیں رہ سکتے، تو اپنی تنخواہ میں سے ایک سو درہم پیشگی لے لو۔'' رقم دے دی، مگر جب تنخواہ کا وقت آیا تو کاٹ لی۔

ایک مرتبہ آپ کے ایک ملازم نے آپ کی بیوی سے کہا: ''روز روز یہ دال روٹی، ہم سے نہیں کھائی جاتی۔ بیوی نے کہا: ''میں کیا کر سکتی ہوں، امیر المومنین کی روزانہ غذا یہی ہے، اس کو بھی وہ کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔ ایک دن طبیعت یہ آ گئی کہ انگور منگائیں۔

حضرت فاطمہ (بیوی) سے فرمایا: کیا تمہارے پاس ایک درہم ہے، میں انگور کھانا چاہتا ہوں۔'' فاطمہ نے کہا: خلیفۃ المسلمین ہو کر کیا آپ میں ایک پیسہ خرچ کرنے کی بھی طاقت نہیں

ہے؟" فرمایا میرے لیے جہنم کی ہتھکڑی سے یہ زیادہ آسان ہے۔"

جب خلافت کی ذمہ داریوں کا پہاڑ آپ پر ٹوٹ پڑا، تو غذا اور خوراک کے علاوہ میاں بیوی کے تعلقات سے بھی علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ سارا دن سلطنت کی ذمہ داریاں ادا فرماتے اور رات کے وقت عشاء پڑھ کر تن تنہا مسجد میں بیٹھ جاتے اور ساری ساری رات جاگتے سوتے گریہ زاری میں بسر کر دیتے۔ فاطمہ سے ان کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ ایک دن انہوں نے تنگ آ کر پوچھا، تو ارشاد فرمایا:

> میں نے ذمہ داری کے سوال پر غور کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سفید کاموں کا ذمہ دار ہوں۔ مجھے یہ یقین ہو چکا ہے کہ میری سلطنت کے اندر جس قدر بھی غریب مسکین، یتیم، مسافر، مظلوم اور گم شدہ قیدی موجود ہیں، ان سب کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ خدا تعالیٰ ان سب کے متعلق مجھ سے پوچھے گا۔ رسول ﷺ ان سب کے متعلق مجھ پر دعویٰ کریں گے۔ اگر میں خدا اور رسول کے سامنے جوابدہی نہ کر سکا، تو میرا انجام کیا ہوگا؟ جب میں ان سب باتوں کو سوچتا ہوں، تو میری طاقت گم ہو جاتی ہے، دل بیٹھ جاتا ہے۔ آنکھوں سے آنسو بے دریغ بہنے لگتے ہیں۔"

آپ رات رات بھر جاگ کر موت کی جوابدہی پر غور کرتے تھے۔ اور پھر دفعتہً بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے۔ آپ کی بیوی ہر چند آپ کو تسلی دیتی تھیں، مگر آپ کا دل نہیں ٹھہرتا تھا۔ حضرت نے اسی حال میں خلافت کے ڈھائی سال گزارے۔ رجب 101 ہجری میں امیہ خاندان کے بعض لوگوں نے آپ کے غلام کو ایک ہزار اشرفی دے کر آپ کو زہر دلوا دیا۔ آپ کو اس کا علم ہوا، تو غلام کو پاس بلا لیا۔ اس سے رشوت کی اشرفیاں لے کر بیت المال میں بھجوا دیں اور پھر فرمایا۔

> "اگر مجھے یقین ہو کہ مرض کی شفاء میرے کان کی لو کے پاس ہے تو میں پھر بھی ہاتھ بڑھا کر اسے قبضے میں نہیں لاؤں گا۔"

خلیفہ سلیمان نے خود ہی یزید بن عبدالملک کو آپ کا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ آپ نے اس کے لیے حسب ذیل وصیت نامہ لکھوایا:

> "اب میں آخرت کی طرف چلا جا رہا ہوں، وہاں خدا تعالیٰ مجھ سے سوال کرے گا، حساب لے گا اور میں اس سے کچھ چھپا نہیں سکوں گا۔ اگر وہ مجھ سے

راضی ہو گیا، تو میں کامیاب ہوں، اگر وہ مجھ پر راضی نہ ہوا تو افسوس میرے
انجام پر۔ تم کو میرے بعد تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔ رعایا کا خیال رکھنا چاہیے۔
تم میرے بعد زیادہ دیر تک زندہ نہ رہو گے۔ ایسا نہ ہو کہ تم غفلت میں پڑ جاؤ
اور تلافی کا وقت ضائع کر دو۔"

سلمہ کو آپ کے اہل و عیال کا بہت خیال تھا۔ انہوں نے عرض کی

"امیر المومنین کاش اس آخری وقت ہی میں آپ ان کے لیے کچھ وصیت
فرما جاتے۔"

اگرچہ آپ اس وقت بے حد کمزور تھے۔ پھر بھی ارشاد فرمایا: "مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو۔"
آپ کو بٹھا دیا گیا، تو ارشاد فرمایا:

"خدا کی قسم میں نے اپنی اولاد کا کوئی حق تلف نہیں کیا، البتہ وہ جو دوسروں کا
حق تھا، وہ نہیں دیا۔ میرا ان کا وارث صرف خدا ہے۔ میں ان سب کو اسی کے
سپرد کرتا ہوں۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے، تو وہ ان کے لیے کوئی سبیل
نکالے گا۔ اگر یہ گناہوں میں مبتلا ہوں گے، تو میں انہیں مال و دولت دے کر
ان کے گناہوں کو قوی نہیں بناؤں گا۔"

پھر آپ نے اپنے بیٹوں کو پاس بلایا اور فرمایا۔

"اے میرے عزیز بچو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار
میں تھی۔ ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے۔ دوم یہ
کہ تم محتاج رہو اور تمہارا باپ جنت میں داخل ہو میں نے آخری بات پسند کر لی
ہے۔ اب میں تمہیں صرف خدا ہی کے حوالے کرتا ہوں۔"

ایک شخص نے کہا:

"حضرت کو روضہ نبوی کے اندر چوتھی خالی جگہ میں دفن کیا جائے۔" یہ سن کر
فرمایا" خدا کی قسم! میں ہر عذاب برداشت کر لوں گا، مگر رسول اللہ ﷺ کے
جسم پاک کے برابر اپنا جسم رکھواؤں، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے ایک عیسائی کو بلایا، اس سے اپنی قبر کی زمین خریدی عیسائی نے کہا۔

"میرے لئے عزت کیا کم ہے کہ آپ کی ذات پاک میری زمین میں دفن ہو۔

میں اب اس عزت کی قیمت وصول نہیں کروں گا۔"

فرمایا "یہ نہیں ہوسکتا۔" آپ نے اصرار کر کے قیمت اسے اسی وقت ادا کردی۔ پھر فرمایا جب مجھے دفن کر دو، تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناخن اور موئے مبارک میرے کفن کے اندر رکھ دینا۔" اسی وقت پیغام ربانی آ گیا اور زبان مبارک پر یہ آیات قرآنی جاری ہوگئیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

دُعا ہے کہ اللہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسی زندگی اور موت ہر مسلمان کو نصیب کرے۔

حجاج بن یوسف ثقفی

متضاد صلاحیتوں کا حامل، اعلیٰ پائے کا منتظم، نڈر اور بے خوف جرنیل ماہر سیاستدان اور بلند پایہ خطیب، مگر انتہائی ظالم، سفاک اور جفا جو انسان

اس نے مدرس کی حیثیت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا مگر خداداد صلاحیتوں کی بنا پر اموی خلیفہ عبدالملک کا دست راست بن گیا، تین سال حجاز کا اور بیس سال عراق کا گورنر رہا، اس کی حیثیت نائب السلطنت کی تھی۔

اس کے بارے میں ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے، حجاج سلطنت بنوامیہ کا ایسا ستون ہے جس کے بغیر اس عمارت کا کھڑا رہنا ناممکن تھا۔

نام	حجاج بن یوسف
پیدائش	41ھ............661ء
گورنر بنتے وقت عمر	31 سال
مدت حکومت	23 سال
وفات	95ھ............714ء
عمر	54

اضافہ طارق اکیڈمی

حجاج بن یوسف

خلافت اموی کے حکام میں حجاج بن یوسف سے زیادہ کسی شخص کو شہرت حاصل نہیں ہوئی۔مگر یہ شہرت عدل وفیض رسانی کی نہیں تھی، سیاست وقہر کی تھی۔تاریخ اسلام میں حجاج کا قہر ضرب المثل ہوگیا ہے۔یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اموی سلطنت کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ وہ حجاج ہی تھا، جس نے اپنی بے پناہ تلوار سے اور بے روک سفاکی سے ازسرنو اس کی گری ہوئی عمارت کو مستحکم کردیا۔

بنی امیہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے تھا۔ان کی حکومت کا مرکز مکہ میں تھا اور اس کا دائرہ شام کی سرحدوں تک پہنچ گیا تھا۔حجاج بن یوسف نے یہ خطرہ ہمیشہ کے لیے دور کردیا۔مکہ کا محاصرہ کیا۔کعبہ پر منجنیقیں لگادیں اور عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو نہایت سفاکی سے قتل کرڈالا۔

عراق شروع ہی سے شورش پسند قبائل کا مرکز تھا۔یہاں کی سیاسی بے چینی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی۔والیوں پر والی آتے رہے اور بے بس ہوکر لوٹ جاتے تھے، لیکن حجاج بن یوسف کی تلوار نے ایک ہی ضرب میں عراق کی ساری شورہ پشتی ختم کرڈالی۔خود اس عہد کے لوگوں کو اس پر تعجب تھا۔قاسم بن سلام کہا کرتے تھے کوفہ والوں کی خودداری اور نخوت اب کیا ہوگئی؟ انہوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کا سر کاٹا۔مختار جیسا صاحب جبروت ہلاک کرڈالا، مگر اس بدصورت ملعون (حجاج) کے سامنے ذلیل ہوکر رہ گئے۔کوفہ میں ایک لاکھ عرب موجود ہیں، مگر یہ خبیث 12 سوار لے کر آیا اور غلام بناڈالا۔

حجاج کا عراق میں اولین خطبہ، ادب عربی کی مشہور چیز ہے کہ صرف اشارہ کردینا کافی ہوگا۔

اما واللہ انی لاحمل الشر بحملہ واخذوہ بنعلہ واجزیۃ بمثلہ وانی لاری ابصارا طامخۃ واعناقاً متطاولۃ ورؤسا قداینعت وحان

قطافھا وانی لانظر الی الدماء بین العمائم واللحی [1]

حجاج کی تلوار جس درجہ سفاک تھی، اتنی ہی اس کی زبان بلیغ تھی۔ اس کا یہ خطبہ خطیبانہ رنگ کا بے نظیر نمونہ ہے۔ "میں دیکھتا ہوں کہ نظریں اٹھی ہوئی ہیں۔ گردنیں اونچی ہو رہی ہیں، سروں کی فصل پک چکی ہے اور کٹائی کا وقت آ گیا ہے۔ میری نظریں وہ دیکھ رہی ہیں، جو پگڑیوں اور داڑھیوں کے درمیان بہہ رہا ہے۔" حجاج نے جیسا کہا تھا، ویسا ہی کر دکھایا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جنگوں کے علاوہ حالتِ امن میں اس نے ایک لاکھ 25 ہزار آدمی قتل کیے تھے۔ [2]

بڑے بڑے اکابر اُبرار مثلاً سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی گردنیں اڑا دیں۔ مدینہ میں بے شمار صحابہ کے ہاتھوں پر سیسے کی مہریں لگا دیں۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابیوں کو قتل کیا۔ موجودہ زمانے کی استعماری سیاست کی طرح اس کا بھی اصول یہ تھا حکومت کے قیام کے لیے ہر بات جائز ہے اور حکومتیں رحم وعدل سے نہیں، بلکہ قہر و تعزیر سے قائم ہوتی ہیں۔

اس عہد کے عرفاء و صلحا حجاج کو خدا کا قہر و عذاب خیال کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتا تھے۔ حجاج اللہ کا عذاب ہے، اسے اپنے ہاتھوں سے دور نہ کرو، بلکہ خدا سے تضرع وزاری کرو، کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ

یہی سبب ہے کہ جوں ہی اس کی موت کی خبر سنی گئی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سجدے میں گر پڑے "اس امت کا فرعون مر گیا۔" بے اختیار ان کی زبانوں سے نکل گیا۔

اب دیکھنا چاہیے اس جابر و قہرمان انسان نے موت کا مقابلہ کیوں کر کیا؟ جس گھاٹ ہزاروں مخلوق کو اپنے ہاتھوں اتار چکا تھا، خود اس میں کیسے اُترا؟

بیماری

عراق پر 20 برس حکومت کرنے کے بعد 54 برس کی عمر میں حجاج بیمار ہوا۔ اس کے معدے میں بے شمار کیڑے پیدا ہو گئے تھے اور جسم کو ایسی سخت سردی لگ گئی تھی کہ آگ کی بہت سی انگیٹھیاں بدن سے لگا کر رکھ دی جاتی تھیں، پھر بھی سردی میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔

موت پر خطبہ

جب زندگی سے ناامیدی ہو گئی تو حجاج نے گھر والوں سے کہا مجھے بٹھا دو اور لوگوں کو جمع

[1] البدایۃ والنہایہ ج9 ص 210 [2] عقد الفرید، البیان والتبیین وغیرہ

کرو۔'' لوگ آئے، تو اس نے حسب عادت ایک بلیغ تقریر کی۔ موت اور سختیوں کا ذکر کیا۔ قبر اور اس کی تنہائی کا بیان کیا۔ دنیا اور اس کی بے ثباتی یاد کی۔ آخرت اور اس کی ہولناکیوں کی تشریح کی، اپنے ظلموں اور گناہوں کا اعتراف کیا۔ پھر یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گئے۔

ان ذنبی وزن السموت والارض　　وظنی بخالقی ان یحابی

میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں مگر مجھے اپنے خالق سے امید ہے کہ رعایت کرے گا

فلئن من بالرضاء فهو ظنی　　ولئن امربالكتاب عذابی

اگر اپنی رضامندی کا احسان مجھے دے تو یہی میری امید ہے، لیکن اگر وہ عدل کر کے میرے عذاب کا حکم دے

لم یکن ذالك منه ظلما　　وهل یظلم رب یرجی الحسن مآب

تو یہ اس کی طرف سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ رب ظلم کرے، جس سے صرف بھلائی کی توقع کی جاتی ہے۔

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا، موقع اس قدر عبرت انگیز تھا کہ مجلس میں کوئی بھی اپنے آنسو نہ روک سکا۔

خلیفہ کے نام خط

اس کے بعد اس نے اپنا کاتب طلب کیا اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کو حسب ذیل خط لکھوایا

''امابعد! میں تمہاری بکریاں چراتا تھا، ایک خیر خواہ گلہ بان کی طرح اپنے آقا کے گلے کی حفاظت کرتا تھا۔ اچانک شیر آیا، گلہ بان کو طمانچہ مارا اور چراگاہ خراب کر ڈالی۔ آج تیرے غلام پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو ایوب صابر علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ مجھے امید ہے کہ جبار و قہار اس طرح اپنے بندے کی خطائیں بخشنا اور گناہ دھونا چاہتے ہیں۔''

پھر خط کے آخر میں یہ شعر لکھنے کا حکم دیا۔

اذا مالقیت الله عنی راضیا　　فان شفاء النفس فیما هنالك

اگر میں نے اپنے خدا کو راضی پایا، تو بس میری مراد پوری ہو گئی

فحسبی بقاء الله من کل میت　　وحسبی حیاة الله من کل هالك

سب مر جائیں گے، مگر خدا کا باقی رہنا میرے لیے کافی ہے سب ہلاک ہو جائیں گے مگر خدا کی زندگی میرے لئے کافی ہے

لقد ذاق هذا الموت من کان قبلنا　　ونحن نزوق الموت من بعد ذالك

ہم سے پہلے یہ موت چکھ چکے ہیں ہم بھی ان کے بعد موت کا مزہ چکھیں گے

فان مت فاذکرنی بذکر محبب　　فقد کان جمافی رضاك مسالك

اگر میں مر جاؤں تو مجھے محبت سے یاد رکھنا، کیونکہ تمہاری خوشنودی کے لیے میری راہیں بیشمار تھیں

والا ففی دبرا الصلوة بدعوة　　یلقی بها المسجون فی نار مالك

یہ نہیں، تو کم از کم ہر نماز کے بعد دعا میں یاد رکھنا کہ جس سے جہنم کے قیدی کو کچھ نفع پہنچے

علیك سلام الله حیا ومیتا　　ومن بعد ماتحیا عتیقالمالك

تجھ پر ہر حال میں اللہ کی سلامتی ہو جیتے جی، میرے پیچھے اور جب دوبارہ زندہ کیے جاؤ

سکرات موت کے شدائد

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ عیادت کو آئے، تو حجاج نے ان سے اپنی تکلیفوں کا شکوہ کیا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''میں تجھے منع نہیں کرتا تھا کہ نیکوکاروں کو نہ ستا، مگر افسوس تم نے نہیں سنا۔ حجاج نے خفا ہو کر جواب دیا: ''میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ اس مصیبت کے دور کرنے کی دُعا کرو۔ میں تجھ سے یہ دعا چاہتا ہوں کہ خدا جلدی جلدی میری روح قبض کر لے اور اب زیادہ عذاب نہ دے۔ اسی اثناء میں ابومنذر یعلیٰ بن مخلہ مزاج پرسی کو پہنچے

حجاج! موت کے سکرات اور سختیوں میں تیرا کیا حال ہے؟ انہوں نے سوال کیا۔ ''اے یعلیٰ! حجاج نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا، کیا پوچھتے ہو؟ شدید مصیبت! سخت تکلیف! نا قابل بیان الم! نا قابل برداشت درد سفر دراز توشہ قلیل آہ! میری ہلاکت! اگر اس جبار و قہار نے مجھ پر رحم نہ کھایا۔''

ابومنذر کی بے لاگ تقریر

ابومنذر نے کہا: اے حجاج! خدا اپنے انہیں بندوں پر رحم کھاتا ہے جو رحم دل اور نیک نفس ہوتے ہیں۔ اس کی مخلوق سے بھلائی کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فرعون وہامان کا ساتھی تھا، کیونکہ تیری سیرت بگڑی ہوئی تھی۔ تو نے اپنی ملت ترک کردی تھی، راہِ حق سے ہٹ گیا تھا۔ صالحین کے طور طریقہ سے دور ہو گیا تھا، تو نے نیک انسان قتل کر کے ان کی جماعت فنا کر ڈالی۔ تابعین کی جڑیں کاٹ کر ان کا پاک درخت اکھاڑ پھینکا۔ افسوس تو نے خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت کی۔ تو نے خون کی ندیاں بہادیں، جانیں لیں۔ آبروئیں برباد کیں۔ کبر و جبر کی روش اختیار کی، تو نے اپنا دین ہی بچایا نہ دنیا ہی پائی۔ تو نے خاندان مروان کو عزت دی، مگر اپنا نفس ذلیل کیا۔ ان کا گھر آباد کیا، مگر اپنا گھر ویران کرلیا۔ آج تیرے لیے نہ نجات ہے نہ فریاد کیونکہ تو آج کے دن اور اس کے بعد سے غافل تھا۔ تو اس امت کے لیے مصیبت اور قہر تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر کہ اس نے تیری موت سے امت کو راحت بخشی اور تجھے مغلوب کر کے اس کی آرزو پوری کردی۔"

حجاج کی عجیب رحمت طلبی

راوی کہتا ہے حجاج یہ سن کر مبہوت ہو گیا۔ دیر تک سناٹے میں رہا، پھر اس نے ٹھنڈی سانس لی، آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا الٰہی! مجھے بخش دے، کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ تو مجھے بخشے گا نہیں۔ پھر یہ شعر پڑھا

رب ان العباد قد ایاسونی   ورجائی لك الغداة عظیم

الٰہی! بندوں نے مجھے ناامید کر ڈالا، حالانکہ میں تجھ سے بڑی ہی امید رکھتا ہوں

اس میں شک نہیں، رحمت الٰہی کی بے کنار وسعت دیکھتے ہوئے اس کا یہ اندازِ طلب ایک عجیب تاثیر رکھتا ہے اور اس باب میں بے نظیر مقولہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے حجاج کا یہ قول بیان کیا گیا، تو وہ پہلے تو متعجب ہوئے۔ "کیا واقعی اس نے یہ کہا" کہا گیا "ہاں اس نے ایسا ہی کہا ہے۔" فرمایا "تو شاید! یعنی اب شاید بخشش ہو جائے۔ [1]

[1] البدایہ والنہایہ، ج: 9، ص: 138
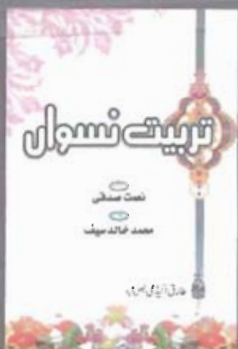
دل کی دنیا بدلنے دینے والی ایک مصری عورت کی آپ بیتی زہر آلود معاشرتی بیماریوں کی یلغار میں ڈھال ہر گھر کی ہر عورت کیلئے نعمت تڑپانے اور جگانے والی

بلاشبہ یہ کتاب سید صاحب کے تخلیقی کمالات کا ایسا اچھوتا اور لازوال شاہکار ہے کہ سیرت کی کوئی اور کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی اس کتاب کے دلکش اور اچھوتے موضوعات پرشکوہ زبان اور دل نشین حسن بیان نے اس کتاب اور اس کے بلند پایہ مصنف کو زندہ جاوید کردیا ہے۔

انسانیت موت کے دروازے پر

دلوں کے تار ہلا دینے والا
ایک مرقع عبرت
ایک داستان حسرت